صُحُفٌ مُطَهَّرَةٌ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

یعنی

اُردو ترجمہ

مکتوباتِ امامِ ربّانی

حضرت مجدّد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ

دفتر سوم ——— حصّہ دوم

تصحیح و حواشی و ترجمہ

مولانا محمد سعید احمد صاحب نقشبندی

خطیب امام مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

ناشر

مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی

(جملہ حقوقِ ترجمہ بحقِ ناشر محفوظ ہیں)

طبع اوّل ——— آفسٹ ایڈیشن ——— ۱۹۷۲ء

طابع و ناشر ——— مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

مطبع ——— مشہور آفسٹ پریس کراچی

تعداد ——— دو ہزار (۲۰۰۰)

قیمت ——— {حصہ ہفتم، ہشتم، نہم / مجلد معہ پلاسٹک کور}

ملنے کا پتہ

مدینہ پبلشنگ کمپنی ═══ بندر روڈ۔ کراچی

فہرست مکتوبات مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ، حصہ نہم - جلد سوم

مضمون	صفحہ
مکتوب نمبر ۶ :- شانِ اعلیٰ کی بلندی اور اس تجرد کا بیان جس میں علم کو گنجائش ہے اور اس تجرد کا بیان جس میں	۱۵
دوسرے شیون کی طرح علم کو بھی گنجائش نہیں۔ جاننا چاہیئے کہ جس جگہ بھی تعین ہے وہاں امکان کی بُو ہے، اور اس کے ہمراہ عدم کی آمیزش ہے اور اس باب میں شیخ محی الدین ابن عربی کا مذہب۔	۱۶
کعبہ ربانی کی حقیقت کا بیان اور ان معارف کا نظر و فکر اور کشف و شہود کے اطوار سے باہر ہونا اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے تمام تجلیات کے فقد ہونے کے وہم کا ازالہ۔	۱۷
مکتوب نمبر ۷ :- کعبہ ربانی کے اسرار اور معرفت سے عجز کے دقائق اور نماز اور کلمہ طیبہ اور نفی و اثبات اور قرآن مجید کی حقیقت کا بیان۔	۱۸
شیخ محی الدین ابن عربی نے کہا ہے کہ خاتم الانبیاء بھی ان علوم کو خاتم الاولیاء سے اخذ کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ولایت محمدیہ کا خاتم کہا ہے اور خلائق کے طعن کا مَورد بنا ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ شیخ اس قسم کی گفتگو اور شطح کے باوجود مقبولوں سے نظر آتا ہے اور مشہور اولیاء کے شمار میں مشاہدہ ہوتا ہے شیخ کا رد کرنے والا بھی خطرہ میں ہے اور اس کو ان باتوں سمیت قبول کرنے والا بھی خطرہ میں ہے۔	۱۹
اس قول کے معنی کا بیان کہ اے محمد ٹھہر جا اللہ تعالیٰ نماز پڑھتا ہے۔	
مکتوب نمبر ۸ :- مخدوم زادگان عالی مرتبہ خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم پر شفقت اور شوق کا اظہار اور لشکر کے ثمرات کا بیان اور بادشاہ وقت کی طرف سے تنبیہ ہونے کا تذکرہ۔	۲۲
مکتوب نمبر ۹ :- عارف کو دی گئی ذات کی بے چونی کے اسرار اور تحقیق تجلی ذات اور رویت اُخروی اور کُنہ شے اور ذاتِ شے سے مراد کا بیان اور وہ جو کہا ہے کہ ذات کی کُنہ کی معرفت محال ہے۔	۲۳
معرفت غریب اور مسئلہ عجیب جو کہ ابھی تک کسی اہلِ کشف و عرفان سے ظاہر نہیں ہوا، اسماء و صفات اپنے آپ قائم نہیں ہیں بلکہ اُن کا قیام اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے اور دوسرا کیونکر اُن سے قائم ہو سکتا ہے جواب میں کہتا ہوں کہ الخ	۲۴
ممکن کی ذات عدم ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ممکن کی ذات نہیں ہے۔	۲۵
صاحبِ فتوحاتِ مکیہ نے کیا خوب کہا ہے کہ عالم عین واحد ہیں، اعراض مجتمعہ ہے لیکن اس جگہ دو نکات میں فروگذاشت ہوئی ایک یہ کہ الخ	″
پوری معرفت والے عارف کے حال کا بیان	″
ذات سے حصہ اور ہے اور صفات سے اور، ہر ایک کے علامات اور نشان الگ الگ ہیں اور علوم و معارف بھی علیحدہ ہیں۔	۲۶
تجلی ذات کا بیان اور شیخ محی الدین ابن عربی کا مذہب اور اس باب میں بطریق سوال و جواب حضرت مجدد صاحب کی تحقیق۔	۲۷
سوال :- شیخ محی الدین ابن عربی نے اخروی رویت کو لطیفہ جامعہ مثالیہ کی صورت میں مقرر کیا ہے اس مسئلہ میں تمہارا اعتقاد کیا ہے؟	۲۸
جواب :- حضرت جامعہ کی رویت خدا تعالیٰ کی رویت نہیں	

مضمون	صفحہ
اس میدان میں شیخ ہے کہ کبھی اس سے صلح ہے اور کبھی جنگ وہی ہے جس نے معرفت و عرفان کی باتوں کی بنیاد رکھی اور ان کو شرح و بسط عطا کیا اور وہی ہے کہ الخ	۲۹
مکتوب نمبر ۸۰ ۔ عارف کو جبکہ کمی ہوئی ذات کی طرف چیزوں کی نسبت ہر ظل کو اپنے اصل کی طرف شاہراہ	۳۰
ہے اگر کانٹے اور تنکے ہیں تو ان کی توجہ اپنی طرف ہے اس نے کمال نادانی سے اپنے آپ کو فراموش کیا ہے اور جب یہ خودبینی کا مرض اس سے زائل ہو جاتا ہے تو اس وقت اس کو سعادت کا سررشتہ ہاتھ آجاتا ہے۔	،،
اس کا بیان کہ عالم اسماء و صفات واجبی کا ظل ہے اور ان ظلال کا قیام اپنے اصول سے ہے جو کہ اسماء و صفات ہیں۔ معتزلہ میں سے نظام ان اعراض کا قیام بذاتِ خود کہتا ہے اور شیخ محی الدین ابن عربی ان کو ذات حق سے قائم سمجھتے ہیں اور حضرت مجدد نے دونوں قولوں کی تردید کی ہے۔	۳۱
اللہ تعالیٰ کی یہ جاری عادت ہے کہ بڑی مدت کے بعد کسی صاحبِ دولت کو پوری فنا کے بعد پوری بقا عطا فرماتا ہے اور ذات اقدس کا نمونہ اس کو عطا کیا جاتا ہے کہ اس عارف بلکہ تمام افراد عالم کا قیام اس ذاتِ موہوب سے وابستہ کر دیتا ہے اور اس قسم کا بزرگ ایک زمانہ میں صرف ایک ہی ہوتا ہے۔	۳۱
مکتوب نمبر ۸۱ ۔ خواجہ جمال الدین حسین کے واقعہ کی تعبیر اور اس معاملہ کا حل کہ وہ بیہوش ہوتے اور ایک نور دیکھا جو سورج کی طرح چمکتا تھا اور ان کے اپنے گھر میں پروین اور بنات النعش کا اکٹھا ہونا۔	۳۳
مکتوب نمبر ۸۲ ۔ فرزندان گرامی خواجہ محمد معصوم و محمد سعید کی جدائی کی تکالیف کا اظہار اور مجدد صاحب کی	۳۵

مضمون	صفحہ
بشارت کا بیان کہ آپ نے نماز تہجد کے بعد دیکھا کہ دونوں بھائی اپنے ایک دوست کے ہمراہ بادشاہ کے وکیل کے سامنے گھٹنے ٹیکے ہیں کہ بادشاہ کے نوکر ہو جائیں۔	
مکتوب نمبر ۸۳ ۔ رشک کی برکات کا بیان اور یہ کہ اس میں رہنا نہ رہنا اپنے اختیار سے نہیں۔	۳۶
مکتوب نمبر ۸۴ ۔ اس طریقہ علیہ کے آداب کے بیان اور یہ کہ طالب کو چاہیئے کہ عقائد کی تصحیح اور فقہی ضروری احکام کے علم اور ان کے مطابق عمل کے بعد اپنے تمام اوقات کو ذکر الٰہی میں مصروف رکھے لیکن شرط یہ ہے کہ الخ	،،
مکتوب نمبر ۸۵ ۔ حفظ اوقات کے مواعظ کے بیان میں۔	۳۷
مکتوب نمبر ۸۶ ۔ کرامات کے زیادہ یا کم ظاہر ہونے کا راز۔	۳۸
ولی سے کرامات کی کثرت کا ظہور اس کی ان دوسروں پر فضیلت پر دلالت نہیں کرتا جن سے اس قدر ظہور کرامات نہ ہو۔	۳۹
خوارق کا ظہور نبوت کی شرط ہے ولایت کی نہیں۔	،،
انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ریاضات و مجاہدات کا اصل مقصد ظہور خوارق کا ظہور ہوتا ہے نہ کہ درجات قرب تک وصول لیکن وہ مجتبیٰ ہوتے ہیں۔	،،
مکتوب نمبر ۸۷ ۔ مجدد صاحب کی مرادی و مریدی کے اسرار اور اس کا بیان کہ ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارادت بغیر واسطوں سے ہے اور طریقہ نقشبندیہ اور قادریہ اور چشتیہ میں ان کی تعداد کا بیان۔	۴۰
مکتوب نمبر ۸۸ ۔ حضرت خلیل کی خلت کے اسرار	۴۱
اور تعین وجودی کا اثبات۔ حق تعالیٰ نے جب کسی بندے	۴۲

مضمون	صفحہ
کہ خلت کی دولت سے سرفراز کرتے ہیں تو خلیل کے اوصاف و اخلاق کی قباحت و کراہت نظر سے اٹھ جاتی ہے اور اس کے متعلق سوال و جواب۔	
خلّت و محبت کے درمیان نسبت کا بیان اور ان دونوں میں فرق اور ان کے لوازمات۔	۴۲
اس حدیث کے معنی کے بیان میں کہ نیک لوگوں کا شوق میری ملاقات کے لئے لمبا ہو گیا اور میں ان کی طرف زیادہ شوق رکھتا ہوں اور بطریق سوال و جواب خدا تعالیٰ میں شوق کا تصور اور قضا اور ارادہ اور مراد اور مستثنا کے درمیان فرق۔	۱۱
خلّت بڑا بلند اور کثیر البرکات مقام ہے عالم مجاز میں جس کسی کو بھی کسی سے انس و الفت ہے وہ سب مقام خلت کے ظلال ہیں یہاں تک کہ باپ کو بیٹے سے اور بھائی کو بھائی سے۔ الخ	۴۳
تعین اول اللہ تعالیٰ کی ذات کا حضرت وجود سے تعین ہے اور وہ تعین اول وجودی حضرت خلیل کا رب ہے لہٰذا وہ سب کے امام ہوئے اور ان کے بعد ہر پیغمبر جو مبعوث ہوا اس کو ان کی متابعت کا حکم تھا	۴۴
سوال:۔ اس بیان سے لازم آیا کہ حضرت خلیل حضرت حبیب سے افضل ہیں اور یہ خلاف اجماع ہے۔ جواب:۔ وصول الخ	۱۱
پس انبیاء میں کلی فضیلت ان بزرگواروں کے حصہ میں آئی ہے اگرچہ ان میں سے ایک دوسرے سے افضل ہے۔	۴۵
اور حضرت موسیٰ چونکہ کلیمی کے رئیس ہیں تو ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی حیثیت ہے جو دوسروں سے نہیں ہے لیکن یہ جزئی فضیلت ہے جاننا چاہیئے کہ انبیاء جو کسی نبی کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات تک پہنچے ہیں وہ نبی اللہ تعالیٰ اور ان انبیاء کے درمیان حائل نہیں ہے بخلاف	۱۱
امت اس نبی کے کہ وہ نبی ان کے درمیان حائل ہے مگر یہ کہ امت کے افراد میں سے کسی فرد میں نبی کا حائل ہونا تو مفقود ہے لیکن تبعیت موجود ہے۔	۴۶
اس کے متعلق سوال و جواب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم کی ملت کی پیروی کرنے کے حکم کے متعلق سوال و جواب حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت مستقل ہے۔	۴۷
معلوم کرایا گیا ہے کہ تعین اول تعین وجودی ہے اور وہ حضرت خلیل کا رب اور ان کا مبدأ تعین ہے۔	۴۷
حضرت خلیل کی بلندی شان اور بزرگی اس سے معلوم کر یں کہ حبیب کو ان کی متابعت کا حکم دیا گیا ہے لیکن محبوبیت حضرت خاتم الرسل کے حصہ میں آئی جو کہ تمام فضائل اور مراتب قرب پر فائق ہے۔	۴۸
سوال:۔ تو نے اپنے رسائل میں لکھا ہے کہ حضرت خلیل اور حضرت حبیب کا رب شان علم ہے فرق صرف تفصیل اور اجمال کا ہے۔ جواب:۔ یہ معرفت ولایت خلت کی حقیقت تک پہنچنے سے پہلے تھی۔	۱۱
تعین اول وجودی کہ جس کو تم نے پایا ہے اس تعین اول علمی جبلی سے کہ جس کو دوسروں نے پایا ہے کیا نسبت ہے اور ان دونوں تعینوں میں کوئی دوسرا تعین بھی ہے یا نہیں۔ جواب تعین وجودی تعین علمی سے اوپر ہے الخ	۱۱
تنبیہ:۔ وصول نظری اور وصول قدمی سے مراد کے بیان میں۔	
مکتوب نمبر ۱۸۹ شیخ روزبہان بقلی کے سخن کی شرح میں بعض دقائق توحید وجودی کے ساتھ۔	۴۹
روزبہان نے لکھا ہے کہ دوسری غلطی یہ ہے کہ بعض یہ کہتے ہیں اور ایک دوسرے کو اشارہ سے کہتے ہیں کہ ہم بھی	۱۱

مضمون	صفحہ
دیکھ ہی پس ان کافروں کے کروڑوں خدا ہیں۔ اور وہ جو اس فقیر نے ان کے اطلاقات سے "ہمہ اوست" کا معنی سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب جزئیات حادث ایک ہی ذات کے ظہور ہیں۔	
امام اعظم اور امام ابو یوسف چھ ماہ تک خلق قرآن کے مسئلہ میں ایک دوسرے سے جھگڑا کرتے رہے اور ردّ و بدل کرتے رہے یہاں تک کہ فیصلہ ہوا کہ جو قرآن مجید کو مخلوق کہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔	۵۱
عبارت "ہمہ اوست" کا ایک اور معنی بھی ہے جو حلول و اتحاد سے بعید ہے یعنی تمام چیزیں ہیں موجود ہی ہے نہ یہ کہ یہ بھی ہیں اور اس کے ساتھ متحد ہیں اور اس مسئلہ میں اس فقیر کا مختار اور تقدیس و تنزیہ کی شان کے مناسب عبارت "ہمہ از اوست" ہے۔ اس معنی سے کہ علماء ظواہر نے اس پر اقتصار کیا ہے الخ	″
یہی اصالت اور ظلیت کے تعلق کہ جس کی صوفیہ کو اطلاع ہوئی ہے صوفیاء کے ساعد کرامی حقیقی تک پہنچا رہا ہے اور چونکہ علماء ظواہر کو یہ دید میسر نہیں ہوئی؟ جاننا چاہیئے اس تحقیق سے واضح ہوا کہ صوفیہ جو کلام "ہمہ اوست" کے قائل ہیں عالم کو اللہ تعالیٰ سے متحد نہیں جانتے اور حلول و سریان کا اثبات نہیں کرتے۔ جان لو کہ خلق شے دوسرے یا تیسرے یا چوتھے	۵۲
مرتبہ میں ظہور شے سے عبارت ہے مثلاً صورت زید الخ	۵۴
مکتوب نمبر ۹۰:۔ عرفاء کے دل کا خدا تعالیٰ کو مشاہدہ کرنے کی حقیقت کا بیان اور صاحب عوارف اور صاحب تعرف کے قول کا بیان اور حضرت مجدد قدس سرہم کی تحقیق	″
۔بیان کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی مثل نہیں ہے، لیکن مثال ہے اور جائز رکھا ہے کہ کسی صورت کی مثال	۵۵

مضمون	صفحہ
میں ظہور فرمائے اس کو بطریق سوال و جواب بیان فرمایا ہے اور خاص تحقیق لائے ہیں۔	
جو صاحب فصوص نے رویت اخروی کی تجویز بصورت مثالیہ دکھائی ہے وہ خدا تعالیٰ کی رویت نہیں بلکہ حق کی صورت کی رویت بھی نہیں ہے۔	۵۶
شیخ اللہ تعالیٰ کی رویت کی نفی میں معتزلہ و فلاسفہ سے پیچھے نہیں رہتے اس قدر فرق ہے کہ ان کا مستند ان کی عقل ہے اور شیخ کا مستند ان کا صحت سے بعید کشف	″
مکتوب نمبر ۹۱:۔ معرفت اور ایمان حقیقی کے درمیان فرق بطریق سوال و جواب اور اس کا بیان کہ تصدیق قلبی میں گرویدہ ہونا ہے یا نہیں؟	۵۷
اگر کہیں تم نے نفس کے یقین کو دل کے یقین کے بعد کہا ہے اور یقین نفس کو ایمان حقیقی سے تعبیر فرمایا ہے حالانکہ فلاسفہ اور ارباب معقول تصدیق میں مطلق یقین نفس کہتے ہیں اور دل کے یقین کی بات نہیں کرتے۔	۵۹
جواب:۔ میں کہتا ہوں الخ اور دوسرا جواب میں کہتا ہوں الخ	
سوال:۔ زہاد اور عباد ایمان حقیقی سے مشرف ہیں یا نہیں؟	۶۰
جواب:۔ اگر متقین کے مرتبہ تک پہنچ جائیں اور ان کے نفوس مطمئن ہو جائیں تو ایمان حقیقی پر پہنچ جاتے ہیں	
سوال:۔ مجمل مرتد اور کہ جس کا منشاء کفر حقیقی ہے ان کو عارف کیسے کہا جا سکتا ہے؟	″
جواب:۔ اگر مقصود یہ ہے کہ کافر طریقت کو کس معنی سے عارف کہا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کافر حقیقی الخ	
مکتوب نمبر ۹۲:۔ صوفیاء کے کلام حق کو سننے اور اللہ تعالیٰ سے مکالمہ کرنے کے بیان میں اور جعفر صادق اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کا کلام نقل کرنا اور حضرت مجدد کی کلام لفظی و نفسی کے بارہ میں تحقیق۔	″

مضمون	صفحہ
مکتوب نمبر ۹۳ :- تعین اوّل وجودی کی تحقیق اور حبیب اور خلیل اور کلیم علیہم الصلوات والتسلیمات کے مبادی تعینات کے درمیان فرق۔	۶۲
سوال :- جبکہ تعین اوّل حضرت خلیل کا رب ہے جو ہمارے پیغمبر نے فرمایا ہے کہ "سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نُور کو پیدا کیا" اس کا کیا معنی ہے۔ جواب :- مرکز دائرہ الخ وجوہ متعددہ سے ولایت خلیلی وکلیمی سے ولایت محمدی کا قرب وسبقت۔	۶۳
سوال :- بسا اوقات کمال جو جز کو میسّر ہو کل کو بھی میسّر ہوتا ہے کیونکہ کل اس جز اور دوسرے اجزاء سے عبارت ہے پس وہ سبقت وقرب جو جزو میں پیدا ہو اور کل میں پیدا نہ ہو تو وہ کل میں تبعیت اور وساطت جز سے پیدا ہوگا نہ بطریق اصالت الخ تعین اوّل وجودی کا وجود خارج میں ہے یا ثبوت علمی رکھتا ہے اور پس اور ان دونوں میں سے کسی کی تردید بھی راست نہیں آتی کیونکہ خارج میں الخ جواب :- میں کہتا ہوں نفس مرتبت ہے الخ	۶۵
مکتوب نمبر ۹۴ :- ذاتی کمال وجمال اور اسم تعینہ مقدسہ کے دقائق کا بیان جو ان سے اوپر ہے اور حبیبؐ خلیل وکلیم علیہم السلام کا ان دو مراتب میں سے نصیب تعینات اور حضرت مجدد کا ان سے حصّہ اور ملاحت و صباحت کا بیان۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ آنحضرت کو ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم ہوا اور اس کی وجہ کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے آنحضرت کے آنے کی بشارت اسم احمدؐ سے دی ہے۔	۶۶
محیط دائرۂ محبوبیت جس میں محبت کی آمیزش ہے وہ آنحضرتؐ کی اُمت کے افراد میں سے ایک فرد کی ولایت کا منشاء ہے پس آنحضرت کو اس فرد کے ذریعہ اس دائرہ کے محیط کے کمالات بھی میسّر ہوئے اور دعا اللّٰھم صل علیٰ محمد کما صلیت علیٰ ابراہیم ہزار سال کے بعد قبولیت کے قریب ہوئی اور سوال قبول ہُوا۔	۶۷
تنبیہ :- نبی اگرچہ بعض کمالات کو اپنی امت کے افراد میں سے کسی فرد کے ذریعہ حاصل کرتا ہے لیکن اس وجہ سے اس نبی کا نقص لازم نہیں آتا کیونکہ فرد نے اس کمال کو اس نبی کی متابعت سے پایا ہے الخ	۷۰
مکتوب نمبر ۹۵ :- ان اسرار کے بیان میں جو حضرت مجدد کی ولایت سے مخصوص ہیں۔	۷۱
فصل بالخیر :- اگر اس معاملہ میں کچھ ظاہر کروں جو اس ولایت سے وابستہ ہے تو شاہ رگ کاٹ دی جائے اور حلق ذبح کر دیا جائے۔	۷۲
تنبیہ :- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی تنزیہ پر ہیں اور حدوث اور نقص سے پاک ہیں اور تغیر وتبدل کو اس بارگاہ میں کوئی دخل نہیں ہے اور اتصال وانفصال کو اس درگاہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے خواص بندوں کا قرب ووصل جسم کے جسم کے ساتھ قرب کی طرح نہیں ہے۔	۷۳
مکتوب نمبر ۹۶ :- ان اسرار کے بیان میں جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو اسماء محمد واحمد سے تعلق رکھتے ہیں۔	۷۴
ہزار سال کے بعد ولایت محمدی ولایت احمدی سے مل اور عبودیت کے دو طوق کا کاروبار ایک طوق تک پہنچا اور پہلے طوق کی بجائے حرف الف جو کہ آپ کے رب سے رمز ہے متمکن ہُوا یہاں تک کہ محمد احمد ہُوا۔	۷۵
سوال :- فنا وبقا جو مشائخ نے قرار دی ہے اس کا کیا معنی ہے اور یہ فنا وبقا جو تعین محمدی میں لکھی گئی ہے کس معنی سے ہے؟	۷۶

مضمون	صفحہ
جواب :- فنا و بقا کو ولایت اس سے وابستہ ہے الخ۔	
مکتوب نمبر ۹۶ :- عالم کے موہوم ہونے کے اسرار میں اور بے وقوف سوفسطائی اور صوفیہ علیہ کے مذہب کے درمیان فرق۔	۷۶
مکتوب نمبر ۹۸ :- صوری حسن سے کثرت التذاذ کے راز کے بیان میں۔	۷۷
مکتوب نمبر ۹۹ :- ان ظاہری و باطنی نعمتوں کے شکریہ کا اظہار جو کہ ماوراء النہر کے اکابر کی برکات سے حاصل ہوتی ہیں۔	۷۸
مکتوب نمبر ۱۰۰ :- حضرت یعقوب کی حضرت یوسف سے گرفتاری کا راز اور بعض اسرار غریبہ اور علوم عجیبہ،	۷۹
یہ محبت کی زیادتی اور حضرت یعقوب کی حضرت یوسف سے گرفتاری کس وجہ سے تھی حالانکہ اللہ تعالٰے نے ان کو اور ان کے آباء کرام کو اولی الایدی والابصار فرمایا ہے پس خدا تعالٰے کے سوا سے گرفتاری ویسے انبیاء کرام کی شان سے کیا مناسبت رکھتی ہے۔	۸۰
جواب :- اس سوال کا جواب ایک مقدمہ پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ آخرت کا حسن و جمال اور اسی طرح اس مقام کے تلذذات دنیوی حسن و جمال کی طرح نہیں ہیں۔	
سوال :- چونکہ ممکن میں حسن و جمال مرتبہ وجوب سے مستفاد ہے اور ممکن اس مرتبہ کے مراتب و درجات کے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ پس ان دو مراتب میں فرق کہاں سے پیدا ہوا کہ ایک مرضی و مقبول ہے اور دوسرا نا معقول کیوں ہے۔ اس کا جواب چند مقدمات پر مبنی ہے مقدمہ پہلا و دوسرا اور تیسرا اور چوتھا اور پانچواں اور پہلے سوال کا جواب	″
اور جس نے آخرت کی گرفتاری کو دنیا کی گرفتاری کی	۸۲

مضمون	صفحہ
طرح برا سمجھا ہے اس لئے کہ اس نے آخرت کی حقیقت کو نہیں جانا۔ رابعہ اگر بہشت کی حقیقت کو پوری طرح جان لیتی تو بہشت کو جلانے کی فکر نہ کرتی۔	
عاشقوں کی خطا صواب کا حکم رکھتی ہے اور ان کا شکر صبر کا حکم۔	۸۳
جاننا چاہیئے کہ اس فقیر کا کشف یہ ہے کہ ہر بہشتی شخص کو بہشت میں رویت اس اسم الٰہی کے انداز کے مطابق ہے جو کہ اس کا مبداء تعین ہے اور اشجار و انہار اور غلمان کے لباس میں ظہور فرمایا ہے اس طرح کہ کچھ وقت کے بعد الخ	″
کتے ہیں کہ اللہ تعالٰے کی ذات تمام کی تمام علم اور پوری کی پوری قدرت اور ساری کی ساری ارادہ ہے اور اس کے متعلق سوال و جواب۔	
اس طرح کا دولت مند انبیاء کے بعد بہت کمیاب ہے یہ بزرگوار اگرچہ نبی نہیں ہیں لیکن انبیاء کی تبعیت میں انبیاء کی خاص دولت میں شریک ہیں۔	۸۵
سوال :- یہ وجود جو عارف تام المعرفت کو بخشا ہے آیا وہ اس وجود کے ساتھ دوسری موجودات کی طرح مرتبہ حس و وہم میں ہے یا اس مرتبہ سے باہر آچکا ہے اور اگر باہر آچکا ہے تو اس نے وجود خارجی پیدا کیا ہے یا نہیں اور تیرے نزدیک مقرر ہے کہ خارج میں سوائے اللہ تعالٰے کے اور کوئی چیز موجود نہیں ہے۔	۸۶
جواب :- وہ جو آخر کار معلوم ہوا ہے الخ بیان مراتب ہوگا مرتبہ وہم و مرتبہ نفس امر و مرتبہ خارج اور ان مراتب کے ارباب۔	
سوال :- مرتبہ وہم سے مرتبہ نفس امر میں جا کر کونسی فضیلت رکھتا ہے اور کونسا قرب اس کے ساتھ وابستہ ہے۔	۸۷
جواب :- ہر خیر و برکت کا منشاء الخ	
قرآن مجید کے حروف و کلمات بھی اسی جگہ یعنی مرتبہ	۸۸

مضمون	صفحہ
نفس امر کے آخری مقام میں مشہود ہوتے ہیں اور ان کا مقام انبیاء کے مقام سے اوپر ہے۔	
ان حروف و کلمات مقدسہ کی بلندی شان سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام نفسی بھی یہی حروف و کلمات ہیں۔ قاضی عضد نے بغیر تقدیم و تاخیر کے انہی کو کلام قدیم نفسی کہا ہے اور اس کے متعلق سوال جواب۔	۸۸
سوال:۔ کیا یہ قرآن مجید کے حروف و کلمات ہی اس دولت سے مخصوص ہوتے ہیں یا تمام منزلہ کُتب کے حروف و کلمات بھی اس دولت میں اپنے ساتھ شرکت رکھتے ہیں اور سب کلام قدیم نفسی ہیں؟ جواب:۔ سب کو اس دولت میں شرکت ہے۔	۸۹
سوال:۔ تحقیق سابق سے معلوم ہوا کہ اس پیدائش میں مظاہر جمیلہ کے ضمن میں جو شہود و مشاہدہ کیا ہے واقع نہیں ہے اور نہ ہی ان کو اس مرتبۂ مقدسہ کی نظارت کی قابلیت ہے۔ آیا ان مظاہر کے علاوہ اس دنیا میں شہود و مشاہدہ متحقق ہے یا نہیں۔ جواب:۔ اس فقیر کا عقیدہ یہ ہے کہ اس پیدائش کے حصہ میں صرف ایقان ہے الخ	״
اس کے متعلق سوال و جواب اور یقین کے تینوں درجات علم، عین، اور حق کا بیان اور بیان قول صاحب تعرف اور ان درجات ثلاثہ کے معانی میں حضرت مجدد صاحب کی رائے۔	۹۰
بزرگوں نے یافت مطلوب کو انفس میں مقرر کیا ہے اور انفس سے باہر کو لاحاصل کہا ہے اور فقیر کے نزدیک انفس بھی آفاق کی طرح لاحاصل ہے اور مطلوب کی یافت سے خالی ہے انفس اور آفاق میں جو نظر ہے وہ صرف مطلوب پر استدلال اور مقصود پر دلالت ہے اور وصول مطلوب انفس و آفاق کے سوا ہے الخ	۹۱

مضمون	صفحہ
یقین کے یہ تینوں درجات جب عین الیقین میں داخل ہوئے تو تمہارے نزدیک عین الیقین کیا ہے؟ جواب:۔ عین الیقین مثلاً اس حالت سے عبارت ہے کہ نفس و دخان کو آتش سے ثابت ہے الخ	۹۱
خاتمۂ حسنہ، حسن و جمال محمد کے بیان میں جو کہ پروردگار عالمیاں کی محبت سے متحقق ہوا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس جمال کے ساتھ محبوب رب العالمین ہوئے ہیں۔	۹۲
جاننا چاہیے کہ محمدی پیدائش دوسرے انسانی افراد کی پیدائش کی طرح نہیں ہے بلکہ افراد عالم میں سے کسی فرد سے بھی مناسبت نہیں رکھتی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس عنصری پیدائش کے باوجود خدا تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔	۹۳
آنحضرت کا سایہ نہیں تھا اور اس کو دو طریقہ سے ثابت کیا ہے۔	״
مشہود ہوتا ہے کہ علم جملی جو کہ صفات اضافیہ سے ہوگیا ہے وہ ایک نور ہے جو عنصری پیدائش میں اصلاب سے ارحام متکثرہ میں گرنے کے بعد حکمت اور مصالح کے مطابق انسانی صورت میں ظاہر ہو کر احمد اور محمد کے نام سے موسوم ہوا ہے۔	״
اس جگہ سے احمد کا قرب احد سے معلوم کرنا چاہیے کیونکہ جو واسطہ وہ درمیان میں رکھتے ہیں وہ صفت علم ہے اور وہ ایسا امر ہے جو مطلوب سے اتحاد رکھتا ہے پس حجابیت کو اس جگہ گنجائش نہیں ہے اور یہ بھی ہے کہ جمال حسن ذاتی ہے اور یہ حسن اس کے علاوہ اور کسی چیز میں ثابت نہیں ہے۔	۹۴
سوال:۔ آیت یُحِبُّهُمْ دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر بھی متعلق ہوتی ہے اور دوسرے بھی اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوتے	״

مضمون	صفحہ
ایں پھر آنحضرت کی خصوصیت کی کیا وجہ ہے۔ جو دوسروں میں موجود نہیں ہے۔	
جواب:۔ محبت دو قسم کی ہے۔ الخ	
محسوس ہوتا ہے کہ جس قسم کا غلبہ محبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اسی طرح محبت کا غلبہ اللہ تعالیٰ کو حضرت خاتم الرسل کے ساتھ ہے کوئی فرق مفہوم نہیں ہوتا۔	
سوال:۔ صوفیہ نے تمام افراد عالم کو اسمار آلٰہی کے مظاہر کہا ہے اور انہی اسمار کو اشیار کی حقیقت پایا ہے۔ پس تمام عالم مظہر اسمار الٰہی ہوا پس وہ تخصیص جو بعض اسما کے ظہور کو آنحضرت کی پیدائش سے آپ نے بتایا ہے اس کی کیا وجہ ہے۔	۹۵
جواب:۔ صوفیہ کے نزدیک حقائق اشیا، اعیان ثابتہ ہیں جو کہ اسمار آلٰہی کی صور علمیہ ہیں نہ کہ خود اسمائے الٰہی	
آنحضرت کے بغیر کوئی بھی ایسا نظر میں نہیں آتا جو نفس اسم آلٰہی کا ظہور ہو مگر قرآن مجید کہ وہ بھی نفس اسم آلٰہی کا ظہور ہے اس قدر فرق ہے کہ ظہور قرآنی کا منشا صفات حقیقیہ ہیں اور ظہور محمدی کا منشا صفات اضافیہ ہیں اور کعبہ ربانی کا معاملہ ان دونوں ظہوروں سے برتر ہے کہ اس جگہ معنی تنزیہی کا ظہور ہے اور وہ بھی شیون و اشکال کے لباس کے بغیر الخ۔	۹۶
اگرچہ اس دولت خاصہ محمدی میں کسی دوسرے کو شرکت نہیں ہے لیکن اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ اس دولت خاصہ سے تکمیل کے بعد کچھ بقیہ رہ گیا تھا اس بقیہ کو آپ کی امت میں سے ایک دولت مند کو عطا فرمایا ہے اور تبعیت اور وراثت کے طور پر اس کو آپ کی دولت خاصہ میں شریک کیا ہے۔	۹۷
سوال:۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی نے حقیقت	〃

مضمون	صفحہ
محمدی کو حضرت اجمال علم سے تعبیر کیا ہے اور اس کو تعین اول کہا ہے اور اس مرتبہ کے اوپر مرتبہ لا تعین تصور کیا ہے جو کہ ذات خالص کا مرتبہ ہے اور تو نے اس کو صفات اضافیہ کی قسم سے کہا ہے جو کہ صفات حقیقیہ سے نیچے ہیں اس کی کیا وجہ ہے۔	
جواب:۔ شیخ محی الدین خارج میں سوائے ذات احدیت مجردہ کے اور کسی کو موجود نہیں مانتے اور وجود صفات کو سوائے علمی وجود کے اثبات نہیں کرتے اور اس فقیر کے نزدیک الخ	
شیخ محی الدین نے علم جملی کو حقیقت محمدی کہا ہے۔ اور عنصری پیدائش کو اس کا ظہور جانا ہے تو آپ کی مراد ظہور نفس اسم ہے جیسا کہ تم نے کہا ہے یا اس اسم کی صورت کا عکس ہے جیسا کہ تمام ممکنات میں ہے۔	۹۸
جواب:۔ صورت اسم کیونکہ الخ	
سوال:۔ اس مرتبہ میں علم و عالم و معلوم کا اتحاد ہے کہ اس کا حاصل علم حضوری ہے پس صورت اسم کو اس جگہ کیا گنجائش ہوگی کیونکہ صورت کا حصول علم حصولی میں ہے۔	〃
جواب:۔ وہ مرتبہ ذات خالص کا مرتبہ نہیں ہے۔ اسی لئے اس کو تعین و تنزل کہا ہے الخ	
مکتوب نمبر ۱۰۱۔ فلاسفہ کے مذاق کے مطابق آیات قرآنی کی تفسیر و تاویل کرنے کی ممانعت اور یہ کہ مصنف تبصیر الرحمٰن فلاسفہ کے مذہب کی طرف بہت مائل ہے۔	۹۹
مکتوب نمبر ۱۰۲۔ مجاہدات و گوشہ نشینی کی ترغیب اور طالبوں کی تربیت اور یہ کہ خلقت کے ساتھ ضرورت سے زیادہ میل جول رکھنا "بے فائدہ" میں داخل ہے۔	۱۰۰
مکتوب نمبر ۱۰۳۔ کمال و تکمیل کی تحصیل کی ترغیب اور یہ کہ طالبوں کو ابتدا میں جو احوال پیش آتے ہیں اور ذوق اور لذتیں بخشتے ہیں وہ اس طرح ہیں جیسے بچوں کو	۱۰۱

مضمون	صفحہ
الف با کا سبق سکھلاتے ہیں ۔	
مکتوب نمبر ۱۰۴ ۔ خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کو بعض مقاماتِ علیہ کے حصول کی بشارت اور ان کی قیومیت کا معاملہ سپرد کرنے کا بیان ۔	۱۰۲
مکتوب نمبر ۱۰۵ ۔ سنت کو زندہ کرنے کی ترغیب اور بدعت سے تہدید۔ لیکن سنت کے زندہ کرنے میں اس نکتہ کو ملحوظ رکھیں کہ کوئی فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو اور ایک نیکی بہت سی برائیوں کے ظہور کا سبب نہ بنے ۔	۱۰۴
مکتوب نمبر ۱۰۶ ۔ اس واقعہ کے بیان میں کہ مجدد صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور ان سے بلند پایہ بشارات پائیں اور آنحضرت سے اجازت نامہ حاصل کیا ۔ آج قسم قسم کے کھانے پکانے اور آنحضرت کی روح کو ان کا ثواب پہنچانے اور خوشی کی مجلس قائم کرنے کا حکم دیا ہے ۔	۱۰۵
مکتوب نمبر ۱۰۷ ۔ نسبتِ رابطہ میں فتور پڑنے اور عبادات میں لذت نہ رہنے کے اسباب کا بیان ۔	۱۰۷
مکتوب نمبر ۱۰۸ ۔ ان معاملات کا بیان جو اصل الاصل سے تعلق رکھتے ہیں ۔	″
مکتوب نمبر ۱۰۹ ۔ اس بیان میں کہ ایجادِ عالم مرتبۂ وہم میں ہے لیکن استقرار اور تحقق کی وجہ سے نفس امری ہو چکا ہے اور اس کا بیان کہ وحدت بھی نفس امری ہے اور کثرت بھی اور اس کی تحقیق کہ باوجود ثبات و استقرار کے فنا ہونے سالک کا کیا معنی ہے ؟	۱۰۸
سوال ۔ تو نے اپنے رسائل میں خود لکھا ہے کہ ظل جو کچھ بھی رکھتا ہے وہ اصل کا ہے اور ظل میں امانتداری سے زیادہ اور کوئی ہنر نہیں ہے ۔ اگر سالک جو کچھ رکھتا ہے وہ اپنے اصل کو دے دے تو فنا سے متحقق ہو جاتا ہے اور اس کا نام و نشان باقی نہیں رہتا ۔ اس کلام کا حاصل کیا ہے اور کمالاتِ اصل کو دینے کا کیا مطلب ہے ۔	۱۰۶
جواب ۔ یہ فنا اس طرح کی ہے کہ کوئی شخص اپنے آپ کو وہم اور خیال کی مدد سے اس راہ کے سلوک کا دار و مدار اسی پر ہونا اور اس کی بزرگی و شرافت کا بیان ۔	۱۱۰
سوال ۔ تحقیقِ سابق سے واضح ہوا کہ فنا و بقا باعتبار تخیل ہے اگرچہ وہ قلبی یقین تک پہنچا دیتی ہے اور وجدانی و ذوقی بنا دیتی ہے نہ باعتبار تحقیق و وجود اور تو نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے کہ فنا باعتبار وجود ذات اور ذات و صفت کا زوال ہے اس معاملہ میں حقیقت کیا ہے ؟	″
جواب ۔ جب ظل کے وجود کا رجوع اصل کی طرف ہو	
مکتوب نمبر ۱۱۰ ۔ اس بیان میں کہ عارف کا معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ کسی معلوم کو کوئی صورت اس میں حاصل نہیں ہوتی اس وقت اس کے ذرات میں سے ہر ذرہ معشوق کی طرف شاہراہ ہے ۔	″
اور اس کا بیان کہ اس عارف کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت تک لے جانے والی ہے اور اس کا بغض اللہ تعالیٰ کے بغض کی طرف لے جاتا ہے اور اسی طرح آنحضرت کی آل اور اصحاب کی تعظیم و توہین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہی حکم رکھتی ہے علیہم الصلوٰۃ والسلام	۱۱۱
مکتوب نمبر ۱۱۱ ۔ مقام قاب قوسین او ادنیٰ کے بعض اسرارِ غریبہ کا بیان اور اس کا کہ عارف اپنے باطن کی طرف کے کھلنے والوں کو نہیں پاتا ۔	۱۱۲
مکتوب نمبر ۱۱۲ ۔ اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی صفات علمائے اہل سنت کے نزدیک نہ عین ذات ہیں اور نہ غیر ذات [illegible]	۱۱۳
مکتوب نمبر ۱۱۳ ۔ اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ حقیقیہ اور علم و قدرت کمالات سے متصف ہیں اور ذات کے ساتھ صفات کے قیام کے معنی کی تحقیق ۔	۱۱۴
اس بحث کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا اصلی	۱۱۵

مضمون	صفحہ
ذات کے ساتھ قیام اس طرح نہیں جیسے عرض کا قیام جوہر سے بلکہ جیسے مصنوع کا قیام صانع سے ہوتا ہے اگرچہ اس جگہ اتصاف ہے اور اس جگہ اتصاف نہیں ہے الخ	
مکتوب نمبر ۱۱۴ - اللہ تعالیٰ کی صفات کی تحقیق اور اللہ تعالیٰ کے کمالات سے علم الٰہی کے تعلق کی کیفیت اور اس بیان میں کہ صفتوں کو ذات کے ساتھ قیام سے چارہ نہیں ہے لیکن اس کے لئے محل کے اثبات کی ضرورت نہیں ہے اور تعین وجودی اور انبیاء و ملائکہ اور اولیاء اور عام مومنین اور کفار اور اُخروی پیدائش کے تعینات کا بیان۔ مرتبۂ وجوب میں صورِ علمیہ ثابت ہیں اور حلِ ممکنات کو اس جگہ گنجائش نہیں ہے اور قیام کے سوا اس جگہ متصور نہیں ہے۔	۱۱۶
متاخرین صوفیاء نے کہا ہے کہ صورِ علمیہ (اعیان ثابتہ اور حقائق ممکنات) علم کے خانہ میں ہیں اور بس اور علم سے خارج وجود کی بو بھی انہیں تک نہیں پہنچی ہے میں نہیں سمجھتا کہ ان بڑے لوگوں کی کیا مراد ہے؟ الخ	۱۱۸
مکتوب نمبر ۱۱۵ - مرزا حسام الدین احمد کے سوالات کے جواب میں۔	۱۲۳
مکتوب نمبر ۱۱۶ - اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمتگزاری کی ترغیب میں۔	۱۲۴
مکتوب نمبر ۱۱۷ - اس آیت کے معنی کے بیان میں۔ ان فی ذالک لذکریٰ	۱۲۵
مکتوب نمبر ۱۱۸ - اس مرفوع حدیث کے بیان میں کہ "قرآن کی جو بھی آیت اتری ہے اس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور ہر حرف کی ایک حد ہے اور ہر حد کے جھانکنے کی ایک جگہ ہے۔	۱۲۸
مکتوب نمبر ۱۱۹ - فرقۂ صوفیہ کے رد میں صاحب عوارف کے قول کی شرح۔	۱۳۵
مکتوب نمبر ۱۲۰ - گوشہ نشینی اختیار کرنے کے جواز کے	۱۳۶

مضمون	صفحہ
مکتوب نمبر ۱۲۱ - جلد ثانیہ کے مکتوب نمبر ۶۰ کی عبارت کے حل کے بیان میں، جو کہ مجدد صاحب کی مرادی اور مریدی کے اسرار کو متضمن ہے۔	۱۳۷
سوال: - جذبہ کا حصول کیونکر طرح کی محبوبیت چاہتا ہے پس کفار کو جو اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں جذبہ سے کیونکر حصہ تجویز کیا جاتا ہے۔	۱۴۰
جواب: - ہو سکتا ہے کہ کفار کے بعض حقائق ایک طرح سے محبوبیت رکھتے ہوں لیکن چونکہ ان کو صاحب شریعت کی متابعت سے آراستہ نہیں کیا ہے لہٰذا وہ خاسر و مخذول ہو گئے۔	
اللہ تعالیٰ کی صفات جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے علیحدہ نہیں ہو سکتیں تو صفات کے واصل اور موصول الیہ کے درمیان سے اٹھ جانے کا کیا معنی ہے۔	۱۴۱
جواب: - جب سالک کو اپنے اصل سے وصول اور تحقق حاصل ہوتا ہے جو کہ اسماء الٰہی میں سے ایک اسم ہے	
کوئی سادہ لوح اس وہم توسط سے خیر البشر کی بعثت سے بے نیازی کا وہم نہ کرے اگرچہ وہ بعض کی نسبت ہی سے کیوں نہ ہو کہ وہ کفر ہے۔	"
افلاطون نے اپنی بے وقوفی سے اس صفائی کی وجہ سے جو اس کو اپنے اندر ریاضتوں اور مجاہدوں سے ہوئی اپنے آپ کو انبیاء کی بعثت سے بے نیاز سمجھا۔	"
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ ہونے کے دو معنی ہیں اور دونوں معنی کی تفصیل کا بیان الخ	۱۴۲
مکتوب نمبر ۱۲۲ - حقیقت محمدی کے واسطہ ہونے کا بیان اور ظہور اول اور ان کمالات کا بیان جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہونے سے وابستہ ہیں اور اس امت کے خواص کا حقیقۃ الحقائق کے ساتھ الحاق و وصول میں انبیاء کے ساتھ شرکت کا بیان اور تعین اول اور حقیقۃ الحقائق میں اختلاف	۱۴۷

مضمون	صفحہ
کا بیان جو کہ تعین وجودی ہے یا تعین حبی یا حضرت اجمال علم اور	
بطریق سوال وجواب عجیب تحقیقات۔	
سوال:۔ جب خلیل اللہ نے حبیب اللہ کا واسطہ چاہا اور آپ	۱۵۱
کے امتی ہونے کی آرزو کی تو حضرت حبیب اللہ کو حضرت خلیل اللہ	
کی متابعت کا حکم دینے کا کیا معنی ہے اور آنحضرت نے اپنے درود	
اور سلام میں کَمَا صَلَّیْتَ وَسَلَّمْتَ کیوں فرمایا ہے۔	
جواب:۔ کسی چیز کی حقیقت اگرچہ بلند تر ہو اور قرب سے	
اقرب ہے لیکن اس کا مظہر عالم عناصر میں بہت نیچے ہوتا ہے الخ	
کبھی فاضل کو مفضول کی متابعت کا حکم دیتے ہیں اور اس امر	
سے اس کی فاضلیت میں کوئی قصور لازم نہیں آتا۔	۱۱
حضرت صدیق و حضرت اسرافیل کی حقیقت کا بیان اور	۱۱
ملائکہ کرام کے حقائق عارف کو اپنی حقیقت سے جو کہ اسم الٰہی	۱۵۲
سے عبارت ہے ترقی اس حقیقت تک پہنچنے کے بعد جائز ہے	
یا نہیں ؟ جواب:۔ اس حقیقت تک پہنچنا دو طرح پر ہے الخ	
حقیقت محمدی سے جو کہ حقیقۃ الحقائق ہے اور کسی ممکن کی	۱۵۳
حقیقت اس سے اوپر نہیں ہے ترقی ممکن ہے یا نہیں اور	
تم نے اپنے رسائل میں لکھا ہے کہ حقیقت محمدی سے ترقی واقع	
ہوئی اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے ۔ جواب:۔ جائز نہیں	۱۱
ہے اور وہ جو میں نے لکھا ہے اس سے مراد اس کا تحقق ہے نہ	
اس جگہ سے لازم آتا ہے کہ آنحضرت کو بھی اس حقیقت سے ترقی	
نہ ہو جواب:۔ آنحضرت بھی اس محمدی مرتبہ کے باوجود ہمیشہ ترقی	
سوال:۔ اس جگہ سے واضح ہوا کہ دوسروں کو بھی طفیلی طور پر	۱۱
حقیقۃ الحقائق تک وصول ثابت ہے پس تابع اور متبوع اور اصلی	
اور طفیلی کے درمیان کیا فرق ہوگا۔ جواب:۔ اس حقیقت تک وصول	
کا وصول ایسا ہے جیسا خادم اپنے مخدوم کے ساتھ ملحق ہوتا ہے	
تعین حبی جو کہ تعین اول ہے اور حقیقت محمدی ممکن ہے یا	۱۴۵
واجب قدیم ہے یا حادث ۔ صاحب فصوص اول کو کہ جسے ہم نے	
حقیقت محمدی کہا ہے اور اس کو وحدت سے تعبیر کیا ہے اور	

مضمون	صفحہ
اور تعین ثانی کو کہ واحدیت کہا جاتا ہے اور اعیان ثابتہ کو ان کو حقائق	
ممکنات کہتے ہیں اس مرتبہ میں اثبات کیا ہے اور دونوں تعینوں کو وجوبی کہتے	
ہیں اور قدیم جانتے ہیں اور تعین روحی و مثالی و جسدی کو تعین امکانی	۱۵۴
تصور کرتا ہے تمہارا ان مسائل میں کیا اعتقاد ہے	
جواب:۔ اس فقیر کے نزدیک الخ	
سوال:۔ تم نے اپنے مسائل میں واجب و ممکن میں نسبت عینیت	۱۵۵
اور ظلیت کی ثابت کی ہے اور ممکن کو واجب کا ظل کہا ہے اور یہ بھی	
کہا ہے کہ واجب باعتبار اصل کے ممکن کی حقیقت ہے جو کہ اس کے	
ظل کی طرح ہے اگر اس اعتبار سے شیخ نے بھی واجب کو ممکن کی حقیقت	
کہہ دیا ہو تو کیا ڈر ہے ۔ جواب:۔ یہ تمام معارف سکریہ ہیں اور	۱۱
معاملہ حقیقت تک نہ پہنچنے کی وجہ سے ہیں جبکہ محمد کا سایہ نہ ہوگا	
تو محمد کے خدا کا سایہ کس طرح ہوسکتا ہے عالم کی ظلیت کا علم سالک	
کو راہ میں کام آتا ہے اور کشاں کشاں اصل کی طرف لے جاتا ہے اور جب	
جواب سوال:۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمیشہ غمگین	۱۵۶
رہنے کا کیا سبب تھا حالانکہ آپ کو نوع بشر کے تمام کمالات ظاہری	
و باطنی اور علمی و عملی جو ممکن ہیں وہ آپ کو حاصل تھے اور ممکن میں بھی	
اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے والے چند چیزوں سے نبیوں پر بھی فضیلت	۱۵۷
رکھتے ہیں اور ان کا بیان۔	
سوال:۔ مقام وجوب تو تعین ہیں تو ظاہر ہے کہ ممکن کے احکام	۱۵۸
باقی ہیں کیونکہ امکان اور وجوب کی دونوں کی نفی تو تمام ہیں بلکہ مقام	
او ادنیٰ میں جو کہ اصل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور	
ہے امکان کے احکام کا بقا کیا معنی رکھتا ہے؟	
جواب:۔ وجوب اور امکان میں مابہ الامتیاز چیز عدم ہے الخ	
پہلے سوال وجواب کے متعلق سوال وجواب۔	۱۱
جو کوئی اپنی طرف سے بغیر اس کے الہام کے مطلوب کے متعلق کہے	
اس نے اپنے متعلق کہا اور جس نے اس کی تعریف کی اس نے اپنی	
تعریف کی اس جگہ ایک عارف فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ آیت	۱۶۱
وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ کی ضمیر شے کی	

مضمون	صفحہ
کی طرف راجع ہو۔ الخ۔ اس کا بیان کہ معرفت سے عجز معرفت ہے کیونکہ معرفت سے عجز اس معرفت سے عبارت ہے کہ اس کی معرفت حاصل نہیں ہوسکتی الخ۔	۱۶۲
اللہ تعالیٰ کی معرفت کے واجب ہونے کے معنی کا بیان بطریق سوال و جواب اور آنحضرت ﷺ کے اس قول کا بیان کہ جیسا تیری عبادت کا حق تھا عبادت نہیں کی لیکن جیسا تیرے پہچاننے کا حق تھا تجھ کو پہچان لیا	״
عوام اور خواص کی معرفت کے درمیان فرق بطریق سوال و جواب	״
اس کا بیان کہ معرفت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت اور وہ جو یہیں حق معرفت ہے وہ معرفت کی حقیقت ہے بطریق سوال و جواب۔	״
سوال:۔ اس بیان میں لازم آیا کہ صوفیہ کے علوم و معارف اعتبار کے میدان سے ساقط ہیں اور خدا تعالیٰ کی معرفت ان سے وابستہ نہیں ہے کہ حق معرفت علوم شرعیہ سے حاصل ہو اور کوئی ایسی معرفت باقی نہ رہی جس کو صوفیہ کسب تلاش کرتے ہیں پس صوفیاء کو حق کی معرفت میں علماء سے زیادہ کوئی فضیلت ثابت نہ ہوئی۔ جواب: صوفیاء کے کشفی علوم معارف ہیں الخ	۱۶۳
سوال:۔ جب معرفت سے عجز ثابت ہوا اور کمال عجز میں منحصر ہوا پس صوفیہ نے جو اعتبار کے مراتب علم کا قائم کئے ہیں وہ کس معنی سے ہیں اور علم الیقین اور عین الیقین اور حق الیقین سے کیا مراد ہے۔ جواب:۔ فقیر کو اس مسئلہ میں قوم سے اختلاف ہے ان بزرگواروں نے یہ مراتب الخ	۱۶۴
مکتوب نمبر ۱۲۳:۔ اس بیان میں کہ وہ راستے جو جناب قدس تک پہنچانے والے ہیں دو ہیں اور واصلین کی تسلیم کا بیان اور ان کے دستوں کی تعیین۔	۱۶۵
قرب نبوت کی راہ سے واصل ہونے والے اصل میں نبی اور ان کے صحابہ ہیں اور باقی امتوں میں سے جس کسی کو کبھی اسی دولت سے مشرف فرماتے ہیں اس راہ میں واسطہ نہیں ہے اور کچھ قرب ولایت کی راہ سے واصل ہیں جو قطب اوتاد و بدلاء و نجباء اور عام اولیاء ہیں۔	״
قرب ولایت کی راہ سے واصل ہونے والوں کے پیشوا اور سردار حضرت علی مرتضیٰ ہیں اور حضرت فاطمہ و حسنین اس مقام میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت امیر عنصری پیدائش سے پہلے بھی اس مقام کے ملجا و ماویٰ تھے اور جس کسی	۱۶۵
کو بھی فیض و ہدایت اس راہ سے پہنچتا تھا ان کے ذریعے سے پہنچتا تھا اور ان کے بعد یہ منصب ترتیب وار حسنین کو سپرد ہوا اور ان کے بعد ائمہ اثنا عشر میں سے یہاں تک کہ نوبت حضرت	״
شیخ عبدالقادر جیلانی تک پہنچی اور منصب مذکور ان کو سپرد ہوا۔ الخ	۱۶۶
حضرت مجدد الف ثانی حضرت شیخ کے نائب ہیں اور شیخ کی نیابت کے طور پر یہ معاملہ ان سے وابستہ ہے اور اس کو سوال و جواب کے طریق سے لائے ہیں اور حضرت عیسیٰ اور حضرت مہدی علیہما السلام کے متعلق کچھ اور سوال و جواب ذکر کئے ہیں۔	״
جاننا چاہیئے کہ جائز ہے کہ ایک شخص قرب ولایت کی راہ سے قرب نبوت تک پہنچے اور دونوں معاملوں میں شریک ہو اور انبیاء کی طفیل اس کو بھی اس مقام پر جگہ دے دیں اور اس جگہ بھی معاملہ اس کے ساتھ وابستہ ہو۔	۱۶۷
مکتوب نمبر ۱۲۴:۔ رسالہ مبدأ و معاد کی عبارت کے متعلق سوال کے جواب میں کہ جس طرح صورت کعبہ صورت محمدی کی مسجود ہے اسی طرح حقیقت کعبہ بھی حقیقت محمدی کی مسجود ہے اور صورت کعبہ اور اس کی حقیقت کا بیان۔	״
وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین	
اختتامیہ:۔ عرض مترجم غفرلہٗ	۱۷۰

بالخیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اردو ترجمہ مکتوبات دفتر سوم حصہ دوم

مکتوب نمبر ۶۷

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا

(شان العلم کی بلندی اور اس مرتبہ مقدسہ کا بیان جو اس سے اوپر ہے۔ جسے خاص نور کہا جاتا ہے)

شان العلم اگرچہ شان الحیوۃ کے تابع ہے لیکن علم کو اللہ تعالیٰ کے مرتبہ ذات میں صفات و شیون کے اعتبار کے سقوط کے بعد ایک ایسی شان اور گنجائش ہے کہ وہ حیوۃ کو بھی نہیں ہے پھر دوسری صفات اور شیون کا کیا حال ہے۔ وہ ایک مرتبہ ہے جو تمام نسبتوں سے تجرد کا مقام ہے کہ اطلاق نور کے علاوہ اپنے لئے کچھ اور تجویز نہیں کرتے۔ میں جانتا ہوں کہ علم کو بھی اس جگہ گنجائش ہے لیکن وہ علم نہیں جس کو حصولی یا حضوری کہتے ہیں کہ وہ اپنی دونوں قسموں کے ساتھ حیوۃ کا تابع ہے بلکہ وہ علم اللہ تعالیٰ کی طرح بے چون و بے چگون ہے اور وہ سب بے چون شعور ہی شعور ہے اس میں علم و معلوم کا اعتبار نہیں ہے۔

اور اس مرتبہ کے اوپر ایک مرتبہ ہے کہ علم کو بھی دوسرے شیون کی طرح اس مقام میں گنجائش نہیں ہے اس جگہ سب نور ہے کہ اس کا اصل بے چون و بے چگون شعور ہے اور جب حضرت نور کا ظل بھی بے چون بے چگون ہے تو اصل جو کہ عین نور ہے کی بے چونی و بے چگونی کے متعلق کیا کہوں، اور کیا کہا جا سکتا ہے اور تمام کمالات خواہ وہ وجوبی ہوں یا امکانی نور کے ظلال ہیں اور نور کے ساتھ قائم ہیں وجود بھی نور کے ذریعہ سے ظاہر ہوا ہے اور مبداً آثار ہوا ہے پہلا جو کہ حضرت نور کے مرتبہ سے صرف انحطاط کی بو رکھتا ہے اور شعور و نور کا جامع ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو مخلوق کہا ہے اور کبھی اسے عقل سے تعبیر فرمایا ہے اس جگہ آپ نے فرمایا:۔

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الۡعَقۡلَ — سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ عقل ہے۔

اور کبھی اس کو نور سے یاد فرمایا اور کہا:۔

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوۡرِیۡ — سب سے پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور ہے۔

اور یہ دونوں ایک ہی ہیں یہی نُور ہے اور یہی عقل و شعور اور چونکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرتبہ کی اپنی طرف نسبت کی ہے "میرا نور" فرمایا ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ حقیقتِ محمدی کا مرتبہ تھا اور یہ تعینِ اوّل ہوگا نہ وہ حقیقت و تعینِ اوّل جو کہ متعارف ہو چکی ہے کیونکہ وُہ تعین اگر اس تعین کا ظل ہو تو بھی غنیمت ہے کیونکہ اس عقل سے مراد وہ عقل نہیں ہے کہ فلاسفہ نے اس کو اللہ تعالیٰ سے بطریقِ اضطرار صادرِ اوّل کہا ہے اور اس کو صدورِ کثرت کا مصدر بنایا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ جس جگہ بھی تعین ہے اس میں امکان کی بُو ہے اور عدم کی آمیزش اس کے ہمراہ ہے جو تعین و تمیزِ وجود کا باعث ہوا ہے۔ وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْاَشْيَاءُ (چیزیں اپنی ضد سے ظاہر ہوتی ہیں)، اللہ تعالیٰ کی صفات جنہوں نے تعین و تمیز پیدا کیا ہے وہ باوجود قدیم ہونے کے واجب لذاتہا نہیں ہیں، بلکہ واجب لذات الواجب ہیں کہ اس کا حاصل وجوب بالغیر ہے جو کہ امکان کے اقسام میں سے ہے۔ اگرچہ صفات قدیمہ میں امکان کے لفظ سے پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ اس سے حدوث کا وہم ہوتا ہے اور اس جگہ مناسب وجوب کا اطلاق ہے جو کہ ذات واجب سے آیا ہے لیکن حقیقت میں اس جگہ امکان کی گنجائش ہے کیونکہ ان کا وجوب ذاتی نہیں ہے اور غیر کی طرف سے آیا ہے اگرچہ اس کو غیر نہ کہیں گے اور اصطلاحی غیر کہیں گے لیکن دو (اثنینیت) غیریت کا تقاضا کرتی ہے "دو آپس میں متغایر ہوتے ہیں" یہ اربابِ معقول کا مسلّمہ قاعدہ ہے۔

عجیب معاملہ یہ ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے دو تعین کو وجوبی کہا ہے اور تین تعین کو امکانی لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ تمام تعینات ظلیت کا داغ اور امکان کی بُو رکھتے ہیں اگرچہ ممکن سے ممکن تک بڑا فرق ہے ایک قدیم ہوتا ہے اور دوسرا حادث لیکن یہ سب امکان کے دائرہ سے خارج نہیں ہیں اور عدم کی بو رکھتے ہیں۔

دوسرا مرتبہ جو خالص نُور ہے اور لاتعین سے متعین ہے اس کو بھی دوسروں کی طرح ذات محض اور احدیّت مجردہ خیال نہ کریں کہ وُہ بھی نورانیت خالص کے حجابوں میں سے ایک حجاب ہے کہ اِنَّ لِلّٰهِ سَبْعِيْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُّوْرٍ وَّ ظُلْمَةٍ (اللہ تعالےٰ کے نُور و ظلمت سے ستر ہزار پردے ہیں)۔ اگرچہ تعین نہیں ہے لیکن مطلوبِ حقیقی کا حجاب ہے اگرچہ یہ آخری حجاب ہے اور اللہ تعالےٰ وراء الوراء ہے۔ یہ نُور چونکہ تعین کے دائرہ میں داخل نہیں ہے لہٰذا عدم کی ظلمت سے منزّہ و مبرّا ہے، وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (اور اللہ تعالیٰ ہی کی صفت بلند ہے)

اس کی مثال نور آفتاب کی شعاعوں کی سی ہے جو کہ سورج کی ٹکیا کا حاجب ہیں اور قرص (ٹکیا)،

آفتاب کے عین سے منتظر ہو کر اس کا حجاب ہوگئی ہیں۔ حدیث میں آیا ہے حِجَابُهُ النُّوْرُ (اس کا حجاب نور ہے) اور یہ بلند مرتبہ تجلیاتِ ذاتیہ سے اوپر ہے پھر تجلیات فعل و صفت کے متعلق کیا کہوں کیونکہ تجلی تعین کی آمیزش کے بغیر متصور نہیں ہے اور یہ مقام تمام تعینات سے اوپر ہے لیکن ان تجلیاتِ ذاتیہ کا منشا وہی خالص نور ہے اور تجلی اس کے واسطے کے بغیر متصور نہیں ہو سکتی اگر وہ نہ ہو تو تجلی حاصل نہیں ہوتی۔

اور کعبہ ربانی کی حقیقت میں سمجھتا ہوں کہ یہی نور ہے جو کہ سب کا مسجود ہے اور تمام تعینات کا اصل ہوا ہے۔ اگرچہ تجلیات ذاتیہ کا ملجا و ماویٰ یہی نور تھا تو دوسروں کی مسجودیت سے اسکی کیا تعریف کروں اور حبیب اللہ تعالیٰ کا کمال فضل و کرم ہزاروں میں سے کسی عارف کو اس دولت کے وصول سے مشرف کرتا ہے اور فنا و بقا سے اس مقام میں سرفراز فرماتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ بقا اسی نور سے حاصل ہو اور فوق الفوق سے وافر حصہ پائے اور نور کے ساتھ نور سے گذر کر اصل نور تک پہنچ جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جس پر چاہے کرے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

یہ علوم جس طرح نظر و فکر سے بالا ہیں اسی طرح کشف و شہود سے بھی بالا ہیں اور یہ بھی ہے کہ ارباب کشف و شہود اس علوم کے سمجھنے میں اہل علم و عقل کی طرح ہیں نبوت کی فراست کا نور چاہیئے جو کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت سے ان حقائق کو پا لینے کی ہدایت فرمائے اور ان علوم و معارف کو پا لینے کی دلالت کرے۔

جاننا چاہیئے کہ یہ نور دوسرے انوار کی طرح ہرگز نہیں ہے جو کہ امکان کا شائبہ رکھ کر ممکن ہو، یا جوہر و عرض کی جنس سے ہو وہ ایک ایسا مرتبہ ہے کہ نور کے علاوہ اس پر کسی چیز کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا اگرچہ وجوب وجودی ہی کیوں نہ ہو کہ وجوب اس سے نیچے ہے۔

تنبیہ:۔ اس بیان سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے تمام حجابات کا دور ہو جانا اس عارف کے حق میں متحقق ہو جاتا ہے۔ کیونکہ تمام حجابات میں سے آخری حجاب اسی نور کو کہا ہے اور اس کا زوال ممتنع ہے اس حدیث کی رو سے جسے نقل کیا ہے۔

اِنَّ لِلّٰهِ سَبْعِيْنَ الف حجاب من نور وظلمة لو كشفت لاحرقت سبحات وجهه ما انتهى اليه بصره من خلقه	اللہ تعالیٰ کے نور و ظلمت میں ستر ہزار پردے ہیں۔ اگر وہ دور ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے انوار ہر اس مخلوق کو جلا کر رکھ دیں جہاں تک اس کی نظر جائے۔

کیونکہ اس جگہ تحقق دیتا حجابات سے ہے جو کہ ایک دوسرے کے لئے اسباب ہیں نہ کہ حجابات کا دور ہونا اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے

معاملہ میں بھلائی پیدا کر۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب نمبر ۷

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا

(کعبۂ ربانی کی حقیقت کے اسرار اور معجزۂ معرفت کے حقائق اور نماز اور کلمہ طیبہ نفی و اثبات کی حقیقت کے بیان میں)

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں اس کی راہنمائی فرمائی اور اگر اللہ تعالیٰ ہماری راہنمائی نہ کرتا تو ہم کبھی راہ نہ پاسکتے ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے۔

بلند مقام نور خاص کے بعد کہ جس کو اس فقیر نے کعبہ ربانی کی حقیقت پایا ہے اور لکھا ہے کہ وہ مرتبہ بہت بلند ہو کہ اللہ تعالیٰ کے قرآن مجید کی حقیقت ہے۔ کعبہ معظمہ قرآن مجید کے حکم کے مطابق آفاق کا قبلہ ہوا ہے اور سب کی مسجودیت کی دولت سے مشرف ہوا ہے امام قرآن ہے اور مقتدی پیش قدم کعبہ معظمہ اور یہ مرتبۂ مقدسہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے چون کی وسعت کا مبداء ہے اور اللہ تعالیٰ کی بے چونی و بے چگونگی کے امتیاز کا مبدأ بھی ہے وہ ایک ایسا بلند درجہ ہے اس درجۂ مقدسہ میں وسعت و درازی طول و فراخی عرض کی وجہ سے نہیں ہے کہ وہ نقص و امکان کی علامات ہیں وہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ جب تک اس سے متحقق نہ ہوں معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور اسی طرح امتیاز بھی اس مرتبۂ مقدسہ میں مباینت اور مزایلت سے نہیں ہے کہ وہ تبعض اور تجزی کو مستلزم ہے جو کہ جسم و جسمانی کے لوازمات سے ہے اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے۔

اس مقام میں فرض شے غیر شے متصور نہیں ہے کہ غیریت مغایرت اور دوئی کی خبر دیتی ہے بلکہ یہاں فرض کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ وہ فرض محال کے قبیل سے ہے "جس نے نہ چکھا نہ جانا"۔

(۱) چہ گویمت با تو از مرغے نشانہ کہ با عنقا بود ہم آشیانہ

(۲) ز عنقا ہست نامے پیش مردم ز مرغ من بود آں نام ہم گم[1]

اس مقام میں جو شے بھی فرض کی جائے اگرچہ فرض محال ہی کیوں نہ ہو اور اس شے میں جتنا بھی دور دور پہنچا جائے اگرچہ کچھ بھی نہیں جایا پایا جا سکتا اس جگہ ہرگز کوئی امر پیدا نہیں ہوتا کہ اس شے سے اختصاص رکھا جائے۔ اور کسی دوسری شے میں وہ مفروض پایا نہ جائے۔ اور اس کے باوجود ان دو چیزوں میں امتیاز مفروض

---

[1] (۱) میں اس پرندے کا نشان تجھے کیا بتاؤں جو عنقا کے ساتھ آشیانہ رکھتا ہے (۲) عنقا کا نام تو کم از کم لوگ جانتے ہیں اور میرے پرندے کا تو نام بھی نہیں ہے ۱۲

ثابت اور بائن ہے اور ایک کے احکام دُوسرے سے متمیز ہوتے ہیں۔ سو پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنی طرف خلقت کے لئے سوائے اس کی معرفت کے عجز کے اور کوئی راستہ نہیں بنایا۔

اور معرفت سے عجز اکابر اولیاؑ کا حصّہ ہے عدم معرفت اور چیز ہے اور معرفت سے عاجز آنا اور چیز ہے۔ مثلاً اس مقام مقدّس میں عدمِ امتیاز کا حکم لگانا اور ہر ذاتی کمال کو دُوسرے کا عین پانا جیسا کہ صوفیاؒ نے کہا ہے۔ علم عین قدرت ہے اور قدرت عین ارادت ہے۔ اس جگہ اس مقام کے امتیاز کی عدم معرفت ہے اور اس مقام کے امتیاز کا حکم لگانا اور اس امتیاز کی حقیقت کی عدم دریافت کا اقرار کرنا اس مقام کے امتیاز کی معرفت سے عجز ہے۔ عدم معرفت جہالت ہے اور معرفت سے عجز علم ہے۔ بلکہ عجز دو علم کا متضمن ہے ایک شے کا علم اور ایک اس کی حقیقت کی دریافت کا عدم علم اس شے کی کبریائی اور کمال عظمت کی وجہ سے اگر تیسرے علم کو بھی ہم درج کریں تو اس کی بھی گنجائش ہے اور وُہ اپنے عجز و قصور کا علم ہے جو کہ اپنی عبودیت و عبدیت کے مقام کا مؤید ہے۔

اور عدم معرفت میں جو کہ جہل ہے بہُت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ وُہ جہل مرکب ہوتا ہے اور اپنے جہل کو جہل نہیں سمجھتا بلکہ اس کو علم جانتا ہے اور عجز معرفت میں اس مرض سے پُوری نجات ہے بلکہ یہ مرض اس جگہ گنجائش نہیں رکھتا کہ اپنے عجز کا خود اعتراف کرتا ہے۔ اگر عدم معرفت اور معرفت سے عجز ایک ہوتے تو تمام نادان عارف ہوتے اور ان کا جہل ان کے کمال کا ذریعہ ہوتا بلکہ اس جگہ جو زیادہ جاہل ہوتا وُہ زیادہ عارف ہوتا کہ اس جگہ معرفت عدم دریافت معروف کا نام ہے اور معرفت سے عجز میں یہ مقدمہ صادق ہے جو معرفت سے زیادہ عاجز ہو وہ معارف کا زیادہ عارف ہوتا ہے معرفت سے عجز ایک مدح ہے جو ذم سے مشابہت رکھتی ہے اور عدم معرفت ایک ایسی ذم ہے جو مدح کی بُو بھی نہیں رکھتی۔ اے اللہ تو پاک ہے مجھے اپنی معرفت کے کمال عجز سے علم زیادہ عطا فرما۔

شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ اگر اس فرق کو ملاحظہ کر لیتے جس کی اس فقیر کو راہنمائی ہوئی ہے تو ہرگز معرفت سے عجز کو جہل سے تعبیر نہ کرتے اور اُسے عدم علم نہ کہتے۔ جیسا کہ اُنہوں نے کہا ہے کچھ ہم میں سے وُہ ہیں جنہوں نے جانا اور کچھ وُہ ہیں جو جاہل ہیں اور پھر کہا ادراک کے درک سے عاجز آجانا بھی ادراک ہے۔ اور اس کے بعد شق اوّل کے علوم کو بیان کیا ہے اور اس پر فخر کیا ہے اور ان علوم کو اپنے سے مخصوص سمجھا ہے اور کہا ہے کہ خاتم الانبیاء بھی ان علوم کو خاتم الاولیاء سے حاصل کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ولایت محمدیہ کا خاتم کہا ہے اور اس وجہ سے خلقت کے طعنوں کا مورد بنا ہے اور فصوص کے شارحین نے اس عبارت کی توجیہات میں اپنی ہمتیں صرف کی ہیں اور اس فقیر کے نزدیک بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ حقیقت میں یہ علوم جو شیخ نے

بیان کئے ہیں کئی وجہ سے عجز سے نیچے ہیں بلکہ اس عجز سے کوئی نسبت ہی نہیں رکھتے کیونکہ وہ علوم ظلال سے وابستہ ہیں اور عجز اس مقام میں اصل ہے۔

سبحان اللہ اس قول کے قائل حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جیسا کہ راویوں نے کہا ہے اور اس عجز کے ظہور کا مصدر بھی وہی ہیں جو عارفوں کے سردار اور صدیقوں کے رئیس ہیں علم کی کیا حقیقت ہے کہ اس عجز سے سبقت کرے اور وہ کونسا قادر ہے جو اس عاجز سے آگے قدم رکھ سکے۔ ہاں جب وہ شیخ حضرت صدیق کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس طرح کہہ سکتا ہے تو اگر صدیق کے متعلق ایسا کہہ دے تو اس کا کیا کیا جا سکتا ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ شیخ اس طرح کی گفتگو اور اس شطح کے باوجود جو کہ ناجائز ہے مقبولین سے نظر آتا ہے اور اولیاء کے شمار میں مشاہدہ ہوتا ہے سے

با کریماں کار ہا دشوار نیست[1]

ہاں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دعا سے ناراض ہوتے ہیں اور کبھی گالی سے ہنستے ہیں۔ شیخ کو رد کرنے والا خطرے میں ہے اور اس کو ایسی باتوں سمیت قبول کرنے والا بھی خطرے میں ہے۔ شیخ کو قبول کرنا چاہیئے اور اس کی اختلافی باتوں کو قبول نہ کرنا چاہیئے، یہ ہے شیخ کو قبول کرنے اور رد کرنے کے متعلق متوسط راہ جو اس فقیر کی پسندیدہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی حقیقت کو بہتر جانتے۔

اب ہم اصل بات پر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مرتبہ مقدسہ کہ جس کو ہم نے قرآن مجید کی حقیقت کہا ہے اس رتبہ میں نور کے اطلاق کی بھی گنجائش نہیں ہے اور دوسرے کمالات ذاتیہ کی طرح نور بھی راہ میں رہ جاتا ہے اس جگہ بے چون وسعت اور بے چگونی امتیاز کے سوا کسی چیز کی گنجائش نہیں ہے اور اس آیت کریمہ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللهِ نُوْرٌ (یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا) میں اگر نور سے مراد قرآن ہو تو ہو سکتا ہے کہ وہ باعتبار انزال و تنزل ہو جیسا کہ کلمہ قَدْ جَاءَكُمْ اس طرف اشارہ کرتا ہے۔

اور اس مرتبہ مقدسہ کے اوپر ایک اور نہایت بلند مرتبہ ہے جو کہ نماز کی حقیقت ہے کہ عالم شہادت میں اس کی صورت نمازیوں ارباب نہایت سے قائم ہے ہو سکتا ہے کہ اسی نماز کی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہو وہ جو قصہ معراج میں آیا ہے کہ قِفْ يَا مُحَمَّدُ فَإِنَّ اللهَ يُصَلِّيْ (اے محمد ٹھہر جا اللہ تعالیٰ نماز پڑھتا ہے) ہاں وہ عبادت جو تجرد و تنزہ کے مرتبہ کے لائق ہے وہ مراتب وجود سے صادر ہوتی ہے اور عدم کے طریقوں سے ظاہر ہوتی ہے "پس وہ عبادت جو اللہ تعالیٰ کی جانب کے لائق ہے وہ مراتب وجوب سے صادر ہوتی ہے نہ کسی اور سے تو وہی عابد ہوتا ہے وہی معبود"

---

[1] کسی کام کریم لوگوں پر دشوار نہیں ہوتے ۱۲

اور اس مرتبۂ مقدسہ میں کمال وسعت اور بے چون امتیاز ہے کہ اگر حقیقت کعبہ ہے تو اس کا جزو ہے، اور اگر حقیقت قرآن ہے تو بھی اس کا بعض ہے اس لئے نماز عبادات کے مراتب کے تمام کمالات کی جامع ہے اور درک بہ نسبت اہل الاصل کے ثابت ہے کیونکہ نفس معبودیت اسی کے لئے ثابت ہے اور نماز کی حقیقت جو کہ تمام عبادات کی جامع ہے اس مرتبہ میں وہ اپنے سے اوپر کے مرتبہ مقدسہ کے لئے عبادت ہے، کہ معبودیت کا استحقاق صرف اسی اوپر کے مرتبہ کے لئے ثابت ہے جو کہ کل کا اصل اور تمام کی جائے پناہ ہے اس مقام میں وسعت بھی کوتاہی کرتی ہے اور امتیاز بھی راہ میں رہ جاتا ہے اگرچہ وہ بے چون و بے چگون ہوتا ہے۔ کامل انبیاء اور اکابر اولیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے اقدام کی انتہا حقیقت نماز کے مقام کی نہایت تک ہے جو عابدوں کی عبادت کا آخری مرتبہ ہے اور اس سے اوپر خاص معبودیت کا مقام ہے کہ اس دولت میں کسی کو بھی کسی طرح سے شرکت نہیں ہے تاکہ وہ اس سے بلند تر قدم رکھے کیونکہ ہر وہ مقام جہاں عبادت اور عابدیت کی آمیزش ہے وہاں تک نظر کی طرح قدم کو گنجائش ہے اور جب معاملہ خالص معبودیت تک پہنچا تو قدم کوتاہی کرتا ہے اور نظر انجام کو پہنچ جاتا ہے۔

لیکن اللہ سبحانہٗ کی تعریف ہے کہ نظر کو اس جگہ سے منع نہیں فرمایا ہے اور اس کو استعداد کے مطابق گنجائش دی ہے ؂

بلا بودے اگر ایں ہم نہ بودے[1]

ہو سکتا ہے کہ اُقِفْ یَا مُحَمَّدُ (اے محمد ٹھہر جا) میں اسی کوتاہی قدم کی طرف اشارہ ہو یعنی ٹھہر جا اے محمد اور قدم آگے نہ رکھ کہ نماز کے مرتبہ سے اوپر جو کہ مرتبۂ وجوب سے صادر ہے اللہ تعالیٰ کا مرتبہ تجرّد و تنزّہ ہے اس جگہ قدم کی جولانگاہ نہیں ہے اور نہ گنجائش ہے اور کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت اس مقام میں متحقق ہوتی ہے اور غیر مستحق الٰہ کی عبادت کی نفی اس جگہ صورت پاتی ہے اور معبود حقیقی کا اثبات کہ اس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں ہے اس مقام میں حاصل ہوتا ہے اور عابدیت اور معبودیت میں کمال درجہ کا امتیاز اس جگہ ظاہر ہوتا ہے اور عابد معبود سے کما حقہٗ جدا ہو جاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کا معنی منتہی کے حال کی نسبت سے لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے) جیسا کہ شرع میں اس کا معنی مقرر ہو چکا ہے اور لَا مَوْجُوْدَ وَلَا وُجُوْدَ وَلَا مَقْصُوْدَ (کوئی موجود نہیں کسی کا وجود نہیں، کوئی مقصود نہیں) کہنا ابتدا اور وسط کی نسبت سے ہے اور لَا مَقْصُوْدَ کا مرتبہ لَا مَوْجُوْدَ اور لَا وُجُوْدَ کے مرتبہ سے بلند ہے کیونکہ وہ لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ کا درمیانی ہے۔

---

[1] اگر یہ بھی نہ ہوتا تو مصیبت ہوتی ۱۲

جاننا چاہیئے کہ اس مقام میں نظر میں ترقی اور عبارت میں تیزی نماز کی عبادت سے وابستہ ہے وہ نماز ہی ہے جو منتہی لوگوں کا کام ہے دوسری عبادتیں شاید نماز کی تکمیل میں مدد دیتی ہیں اور شاید اس کے نقصان کی تلافی کریں۔ یہی وجہ ہے کہ نماز کو ایمان کی طرح حسن لذاتہٖ کہتے ہیں اور دوسری عبادتیں بذاتِ خود حسن نہیں ہیں۔

مکتوب نمبر ۸۷

حضرت مخدوم زادگان عالی خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا

(ان کی ملاقات کے شوق اور ان پر شفقت اور لشکر گاہ کے نتائج کے بیان میں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ میرے گرامی قدر بیٹے جتنا ہماری صحبت کے خواہاں اور مشتاق ہیں ہم بھی اتنا ہی ان کی حاضری اور ملاقات کے آرزو مند ہیں لیکن کیا کیا جائے کہ تمام آرزوئیں پوری نہیں ہوتیں ؎

تَجْرِی الرِّیَاحُ بِمَا لَا تَشْتَھِی السُّفُنُ[1]

لشکر گاہ میں اس طرح بے اختیار اور بے رغبت ہونا غنیمت سمجھتا ہوں اور اس عرصہ کی ایک ساعت کو دوسری جگہوں کی بہت سی ساعتوں سے اچھا سمجھتا ہوں۔ اس جگہ وہ چیزیں میسر ہیں جو دوسری جگہوں میں معلوم نہیں کہ اس کی مثال میسر ہو سکے۔ اس مقام کے علوم و معارف جدا ہیں اور اس محدود کے احوال و مقامات علیحدہ ہیں وہ پابندی جو بادشاہ کی طرف سے ہے اس کو اپنے مولا کی رضا مندی اور کمال مہربانی کا ذریعہ سمجھتا ہوں اور اپنی خوش قسمتی میں اس قید میں دیکھتا ہوں خصوصاً ان اختلافات کے دنوں میں عجیب کاروبار ہے اور اُن پر تفرقہ اوقات میں عجیب و غریب ناز و ادا ہیں۔ لیکن ہر دولت تازہ و عجیب جو ہر روز مسلسل پہنچتی رہتی ہے وہ دل میں فرزندوں کی کھٹک ہے اور ان کی دوری اور عدم ملاقات سے جگر میں ایک بے چینی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرا شوق تمہارے شوق پر غالب ہے اور یہ مسلم ہے کہ جتنا باپ اپنے بیٹے کو چاہتا ہے بیٹا اتنا باپ کو نہیں چاہتا اگرچہ اصل اور فرع کا تقاضا اس معنی کے عکس کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ اصل کو محتاجی نہیں ہے اور فرع (شاخ) سراسر اصل کی محتاج ہے لیکن ابتدا ہی سے ایسا چلا آیا ہے کہ اصل کو زیادہ شوق ہوتا ہے ؎

درخانہ گر کسے است ہمیں حرف بس است

---

[1] ہوائیں کشتیوں کے الٹ رُخ چلتی ہیں ۱۲

اگر دِل ہے تو وہ آپ کے ہمسایہ میں ہے اور اگر آگرہ ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے قریب ہے، والسلام

مکتوب نمبر ۹۰

مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا

(عارف کو غایت کی ہوئی ذات کی بے چونی کے اسرار اور تجلی ذات و رویت اخروی کے بیان میں)

جب عارف کا معاملہ شیونِ وصفات سے اوپر چلا جاتا ہے اور ذات تعالیٰ کے اعتبارات اور وجوہ سے اوپر پہنچتا ہے اور اس مقام سے کہ جس کو ہم نے فانی کی حقیقت کہا ہے برتری پیدا کرتا ہے تو توجہ اور متوجہ بھی متوجہ الیہ (جس کی طرف توجہ کی جائے) کی طرح بے چون ہو جاتے ہیں کیونکہ چون کو بے چون سے کوئی راہ نہیں ہے اور وہ متوجہ (توجہ کرنے والا) عارف کی ذات ہے جبکہ تمام وجوہ و اعتبارات اس سے الگ ہو جائیں اور کُنہ و ذات اللہ تعالیٰ کی ذات مجردہ سے عبارت ہے جو کہ بذاتِ خود ہے نہ کہ وجوہ و اعتبار کی رُو سے اور جو ذات اور کُنہ کی طرف توجہ کرنے والا ہے وُہ خود اپنا مطلوب و معروف ہے۔

اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ کُنہ (حقیقت) ذات مجردہ سے عبارت ہے وہ اس لئے کہا ہے کہ کسی چیز کی کُنہ وہ ہے جو شے کے تمام وجوہ و اعتبارات سے ماوراء ہو اور کسی شے کی ذات وُہ ہے جو تمام وجوہ و اعتبارات شے سے الگ ہو۔ کیونکہ جو کچھ بھی وجوہ و اعتبارات شے سے اعتبار کیا جائے گا تو ذات شے ان سب سے بلند ہوگی۔ مرتبۂ ذات میں کسی امر کا اثبات کوئی گنجائش نہیں رکھتا اور اس جگہ جو بھی اثبات کیا جائے گا وہ وجوہ و اعتبارات میں داخل ہوگا اور ذات اس سے دُور بہت دُور ہے۔ نفی اور سلب کے سوا اس مقام میں کوئی چیز متصور نہیں ہے اگر امتیاز کا علم ہے تو وُہ بھی سلب سے ہے اور اگر تعبیر و تفسیر ہے تو وہ بھی سلب سے ہے اور ہر وہ چیز کہ اثبات کو اس میں گنجائش نہ ہو اور بغیر سلب کے تعبیر میں نہ آسکے تو وہ مجہول الکیفیتہ ہے اور بے چونی سے حصہ رکھتا ہے اور وُہ توجہ جو مرتبۂ ذات میں ثابت کی جاتی ہے وہ عین متوجہ کی ذات ہوتی ہے نہ کہ ذات کی وجہ و اعتبار۔ کیونکہ تمام وجوہ و اعتبارات اس جگہ مسلوب (منفی) ہو چکے ہیں اور ایک ذات کے بغیر کچھ نہیں رہا تو لازماً وہ توجہ جو عین ذات ہے وہ بھی بے چونی سے حصہ رکھتی ہے پس یہ بات صحیح ثابت ہوئی کہ توجہ اور متوجہ بھی متوجہ الیہ کی طرح بے چون ہو گئے اگرچہ بے چون سے بے چون تک بڑا فرق ہے ماللتراب و ربّ الارباب (مٹی اور رب الارباب کی آپس میں کیا نسبت ہے؟)

یہی وجہ ہے کہ توجہ اور متوجہ میں بے چونی کا حصہ ثابت کیا ہے کہ متوجہٌ الیہ بے چون حقیقی ہے اور بس، اور جبکہ ممکن کی کنہ مجہول الکیفیت اور بے چون ہوتی ہے اور کسی طرح اثبات میں نہیں آسکتی تو اللہ تعالیٰ کی ذات جو کمال لطافت و تقدس و تنزہ میں ہے اس کا ادراک کس طرح ہو سکتا ہے اور کونسا حاصل اس سے ہاتھ آسکتا ہے ؎

اگر از خویشتن چوں نیست چنیں ۔۔۔ چہ خبر دارد از چناں و چنیں[1]

ارحم الراحمین نے اپنی کمال مہربانی و شفقت سے ممکن کو جو کہ سراسر چون ہے بے چونی کا حصہ عطا فرمایا تاکہ بے چون حقیقی سے آگاہی پیدا کرے اور اس کے ساتھ گرفتاری حاصل کرے ؎

وَلِلْاَرْضِ مِنْ كَاسِ الْكِرَامِ نَصِيْبٌ[2]

اور وہ جو کنہ ذات کی معرفت کو محال کہا ہے وہ متعارف معرفت ہوگی جو کہ عالم کیف اور چون سے ہے اور اس کا بے چون سے تعلق محال ہے لیکن وہ امر جو عالم بے چون سے ہو اور بے چون کا بے چون سے اتصال ہو اور اس دولت عظمیٰ سے حصہ حاصل کرے تو وہ کیوں محال ہوگا "یہ ایک عجیب معرفت ہے اور نہایت دقیق اور غریب مسئلہ ہے اور وہ اہل کشف و عرفان سے آج تک بہت ہی کم ظاہر ہوا ہے"۔

یہ ذات مجرد جو بے چونی سے حصہ رکھتی ہے اور جس کا بیان تفصیل سے ہو چکا ہے پوری معرفت والے عارف سے خاص ہے جو کہ ذات مجردہ کی بارگاہ سے واصل ہو چکا ہے اور اس درجۂ بلند میں فنا و بقا حاصل کر چکا ہے اور یہ دولتِ اثر اس بقائے ذات سے ہے اور تمام ممکنات کو سوائے اس عارف کے جو کچھ ہوں ذات سے حصہ نہیں ہے اور وہ ہرگز ایسی ذات نہیں رکھتے کہ ان کی صفات اس سے قائم ہوں ان کا تمام وجود اسماء وصفات کے ظلال ہیں اور شیون و اعتبارات کے عکوس کہ وہ اپنے اصل کے ساتھ قیام رکھتے ہیں جو کہ اسماء وصفات ہیں نہ کہ ایسا امر کہ ذات سے اس کی تعبیر کریں۔

انسان کے سات لطائف جو کہ جامع ترین ممکنات ہے اگر خفی ہے تو بھی صفات کا اثر ہے اور اس کے جسمانی اور روحانی لطائف اللہ تعالیٰ کی ذات کے اعتبارات و اسماء ہیں۔ نفسِ ذات کو اس میں اس کو پوشیدہ نہیں کیا ہے اور ان کا قیام ذات سے نہیں رکھا ہے۔

سوال:- اسماء وصفات تو بذاتِ خود قائم نہیں ہیں بلکہ ان کا قیام اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے تو پھر کوئی دوسری چیز ان کے ساتھ کیسے قائم ہو سکتی ہے؟

جواب:- میں کہتا ہوں وہ دوسری چیز اس وقت ان سے قائم نہ ہو سکے گی جبکہ وہ موجود ہو اور اگر

---

[1] پیٹ کا بچہ جب اپنے آپ کی خبر نہیں رکھتا تو وہ اس طرح اور اس طرح کی کیا خبر رکھے گا۔ ۱۲
[2] شریفوں کے پیالے سے زمین کو حصہ ملتا ہے۔ ۱۲

وہ دُوسری چیز مرتبہ وہم میں ثبوت اور استقرار پیدا کرے تو کیوں ان کے ساتھ قائم نہیں ہو سکے گی کہ وہ بہت زیادہ کمزور ہے اور وہ جو میں نے کہا اور لکھا ہے کہ ممکن کی ذات عدم ہے وہ اسی طرح ہے جیسے کہ کہیں کہ ممکن کی کوئی ذات نہیں ہے۔ ذَاتُہٗ عَدَمٌ، وَلَا ذَاتَ لَہٗ (اس کی ذات عدم ہے اور اس کی کوئی ذات نہیں)، ان دونوں جملوں کا ایک ہی معنی ہے اگرچہ لفظی موشگافیاں ان دونوں کے مفہوم میں تغایر پیدا کریں لیکن اس کا کچھ حاصل نہیں ہے اور حقیقت میں ان کا مرجع ایک ہے۔ عدم اپنے لئے بھی نہیں ہے دوسروں کے کیا کام آئے گا۔ وہ اپنے آپ کو نہیں اُٹھا سکتا دوسروں کو کیا اُٹھائے گا۔

اس بحث کی تحقیق یہ ہے کہ چونکہ اسماء وصفات کے عکوس عدم کے آئینہ میں ظاہر ہوتے ہیں بظاہر ان کا قیام ان آئینوں سے معلوم ہوتا ہے اور وہ آئینے ان کی ذات کی طرح باعتبار اس کے قیام کے متخیل ہوتے ہیں اور حقیقت میں ان کا قیام اپنے اصول سے ہے آئینوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتے اور سوائے توہم کے ان کو عدم کے مرآت سے کوئی کام نہیں ہے ان آئینوں کی ذاتیت اور جوہریت کی اس جگہ کیا گنجائش ہے وہ تو عرض ہونے کی قابلیت بھی نہیں رکھتے جوہر کس طرح ہو سکیں گے۔

اور یہ پُوری معرفت والا عارف جو مرتبہ ذات سے واصل ہے اور ذات سے ہمیشہ کی بقا پا چکا ہے، ایک نادر الوجود عنقا کا حکم رکھتا ہے اور نہایت غریب الوقوع ہے۔ فنا و بقا کے بعد اس کو ایک ایسی ذات عنایت کی گئی ہے کہ اسماء وصفات کے عکوس و ظلال کا قیام جو کہ اس کی حقیقت ہے اسی ذات سے ہوتا ہے جیسا کہ ان کے اصول کو جو کہ اسماء ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات سے قیام ہے تو ان اسماء کے ظلال کو اس ذات کے پرتو سے قیام ہوگا جو کہ عارف کو عطا ہوا ہے۔

پس یہ عارف جوہر و عرض ہوتا ہے اور باقی ممکن کے تمام افراد صرف اعراض ہوتے ہیں جن میں جوہریت کا شائبہ نہیں ہوتا۔ صاحب فتوحات مکیہ نے کیا ہی اچھا کہا ہے کہ عالم عین واحد میں اعراض مجتمعہ کا نام ہے یعنی سب اعراض کا قیام ایک ذات سے ہے لیکن شیخ نے اس جگہ دو نکات میں فروگذاشت کی ہے ایک یہ کہ کامل ترین عارف کو اس سے مستثنیٰ نہیں کیا اور دُوسرا یہ کہ اس کا قیام ذات احد سے رکھا ہے حالانکہ اس کا قیام اپنے اصل سے ہے جو کہ اسماء وصفات ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے اگرچہ اسماء وصفات کا قیام ذات سے ہوتا ہے، کیونکہ حضرت ذات کو عالم سے ذاتی استغنا (بے نیازی) حاصل ہے۔ عالم کا قیام اس بلند مرتبہ سے کیونکر ہو سکتا ہے اور عالم کی کیا حقیقت ہے کہ اس بلند درجہ کے ساتھ قیام کی ہوس کرے ؎

مائیم تاشا کناں کوتاہ دست تو درختِ بلند و بالائی

لہ ہم تماشہ دیکھنے والے کے ہاتھ چھوٹے ہیں اور تو ایک بلند و بالا درخت ہے ۱۲

اور اس عارف کا معاملہ عالم سے جدا ہے اور اس کا حکم عالم کے احکام سے مستثنیٰ ہے وہ اپنی محبت ذاتی کی وجہ سے بحکم اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے اس کی محبت ہو) اپنے اصل سے گذر کر اپنے اصل الاصل سے معیت پیدا کرچکا ہے اور اپنے آپ کو اس اصل اصول میں فانی کر چکا ہے اکرم الاکرمین نے بہ تقاضائے آیت کریمہ ھَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (نیکی کا بدلہ نیکی ہے)، اس کی فنا کا بدلہ اس کو اس کی بقا سے دیا ہے اور جس چیز میں وہ فانی ہوا تھا اسی کے ساتھ اس کو باقی کیا ہے اور اپنی ذات و اسماء وصفات کا مظہر بنا کر ایک جامع آئینہ بنایا ہے۔

پس تمام افراد عالم اس عارف کی جامعیت کے مقابلہ میں کاش اتنی ہی نسبت رکھیں جتنی ایک قطرے کو دریائے محیط سے ہوتی ہے کیونکہ اسماء وصفات کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے مقابلہ میں کوئی قدر اور مقدار نہیں ہے قطرہ کو تو پھر بھی دریائے محیط سے کوئی نہ کوئی نسبت ہوگی اور ان کو تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ نسبت بھی نہیں ہے اس جگہ سے اس عارف کے ذوق و ادراک اور علم و معرفت کا دوسروں کی نسبت سے قیاس کرنا چاہیئے اور اس کی بڑائی اور بلندی درجہ کو اس جگہ سمجھنا چاہیئے "اور اللہ اپنی رحمت سے جسے چاہے خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے"۔

اس صاحب دولت کو جس کو ذاتی بقا سے مشرف کیا ہے اور ایسی ذات عطا کی ہے کہ اس کی صفات کا قیام مثلاً علم اور قدرت وغیرہ اس ذات سے ہے جیسا کہ پہلے ان کا قیام دوسرے افراد عالم کی طرح ان کے اصول سے تھا۔ باوجود اس بقاء اکمل کے کلمہ "انا" (میں) کا اطلاق جو اس سے زائل ہو چکا تھا واپس نہیں آتا اور مراتب بقا میں سے کسی مرتبہ میں بھی "انا" کا اطلاق اپنے اوپر نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی بقائے اکمل اس کی فنائے اتم پر متفرع ہے کہ جس نے کلمہ "انا" کے اطلاق کا نام و نشان بھی اس سے مٹا دیا ہے اور واپس آنے کی گنجائش نہیں چھوڑی ہے اَلزَّائِلُ لَا یَعُوْدُ (زائل ہونے والا واپس نہیں آ سکتا) مشہور مقولہ ہے اور جو واپس آ جائے وہ زائل نہیں ہوا ہے بلکہ وہ مغلوب و مستور ہوا ہے اور کسی پیش آنے والے عارضہ کی وجہ سے اس نے سر نکالا اور غالب آ گیا۔ کیونکہ کبھی "مغلوب بھی غالب آجاتا ہے"۔

جاننا چاہیئے کہ حضرت ذات کے مرتبہ علیا سے حصہ اس صاحب دولت کے لئے خاص ہے جو ذات کے حصول سے باقی ہوا ہے اور صفات نے اس کے ساتھ قیام پایا ہے سوائے اس کے جس قسم کی بھی وہ فنا و بقا پیدا کرے گا اس کا حصہ اسماء و صفات سے ہے نہ کہ ذات تعالیٰ و تقدس سے اگرچہ اسماء وصفات کو ذات سے علیحدگی نہیں ہے لیکن ذات حصہ کچھ اور چیز ہے اور صفات سے حصہ اور چیز ہے۔ اگرچہ اسی ذات سے صفات کے علیحدہ نہ ہونے نے ایک جماعت کو وہم میں ڈالا اور انہوں نے صفات کے حصہ کو ذات کا حصہ

سمجھا لیکن ہر ایک کی علامات اور نشان الگ الگ ہیں اور علوم و معارف علیحدہ علیحدہ ہیں جو کہ اس دولت عظمیٰ پر پہنچنے والوں پر مخفی نہیں ہیں۔

لیکن پوشیدہ نہ رہے کہ تجلی ذاتی اس بزرگ سے خاص نہیں ہے جائز ہے کہ اس کے سوا دوسروں پر بھی تجلی ذات ہو لیکن وہ نفسِ ذات کا حصہ نہ ہوگا۔ کیونکہ ایک طرح کی ظلیت طلب کرتی ہے کہ وہ مرتبہ ثانی میں ظہور ہے اور نفسِ ذات کا حصہ جو کہا گیا ہے وہ ظلیت کا شائبہ نہیں رکھتا اور نفس تجلی اور ظہور سے بھی پوشیدہ ہو جاتی ہے اور وہ ظہور ذات جو صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ موجود ہو وہ بھی مرتبہ ثانی میں ذات کا ظہور ہے لیکن تجلی ذات نہیں بلکہ وہ ذات کے اعتبارات میں سے کسی اعتبار کی تجلی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام اعتبارات کی جامع ہے بلکہ تمام سے منزہ و پاک ہے پس وہ تجلی جو اعتبارات میں سے کسی اعتبار سے ہوگی وہ ذات کی تجلی نہ ہوگی۔

سوال:۔ شیخ محی الدین ابن عربی اور اس کی پیروی کرنے والوں نے تعین اول کو تجلی ذات کہا ہے اور وہ تعین علمی جملی کے ساتھ ہو کہ ذات کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے اگرچہ اس میں جامعیت ہے ذات کا ظہور ہے

جواب:۔ جو کچھ اس فقیر کا عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ ظہور علمی جملی کہ جس کو تعین اول سے تعبیر کرتے ہیں، وہ بھی تجلی ذات نہیں ہے اس لئے کہ وہ ذات کے شیونات میں سے کسی شان سے ماخوذ ہے اور تجلی ذات تمام شیون و اعتبارات کی جامع ہے بلکہ تمام شیون و اعتبارات سے بلند ہے۔ علم کا اعتبار اس جگہ ذات کے دوسرے اعتبارات کی طرح ہے کہ ان کے وصول کا ہاتھ اس مرتبہ مقدسہ کے دامنِ عنا سے چھوٹا ہے۔

اگر یہ کہیں کہ مرتبہ ثانی میں ظہور علم پر مقصور ہے کیونکہ نفس ذات سے خارج میں ہے پس مرتبہ ثانی میں اس کا ظہور علم کے خانہ میں ہوگا کیونکہ ظہور یا تو علم میں ہے یا علم سے خارج۔ علم کی تیسری شق تو ہے ہی نہیں تاکہ اس ظہور کا اثبات کیا جائے؟

میں کہتا ہوں کہ وہ قادر جل وعلا جس نے شانِ علم سے جو ذات کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے ظہور فرمایا ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ ایسے طریقہ پر ظہور فرمائے کہ اعتبار ظہور علم اس ظہور جامع کا بعض ہو بلکہ ایسے طریقہ پر ظہور فرمائے کہ اعتبار علم اور دوسرے اعتبارات کو اس جگہ گنجائش نہ ہو اور وہ ظہور جامع کا مرتبہ، مرتبہ خارج و مرتبہ علم سے جو کہ خارج کا ظل ہوتا ہے ماوراء ہو اور علم سے کوئی کام نہ رکھتا ہو اور تجلی ذات کو تعین علم سے مقید کرنا دریا کو کوزے میں بند کرنا ہے بلکہ پانی کو سراب میں تلاش کرنا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

کسے[1] در صحن کاچی قلیہ جوید   اَضَاعَ الْعُمْرَ فِیْ طَلَبِ الْمُحَالِ

---

[1] جو آدمی حلوے کے تھال میں گوشت کی بوٹیاں تلاش کرے وہ ایک محال کام میں اپنی عمر ضائع کرے گا ۱۲

اں علم کا اعتبار ذات کے تمام اعتبارات سے جامع ترین اعتبار ہے چونکہ ذات کے کمالات کو علم کا اعتبار شامل ہے لہٰذا کمالات کسی اعتبار میں نہیں ہیں اور اگر بطریق مجاز ظہور علمی کو ظہور ذات کہیں اور اس پر تجلی ذات کا اطلاق کریں تو اس کی گنجائش ہے اگرچہ ان کے اطلاقات سے بعید ہے اور انکے مفہوم سے دُور ہے جیسا کہ ان کے کلام کو دیکھنے والے پر مخفی نہیں ہے۔

سوال:- شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ نے رویت اُخروی کو لطیفہ جامعہ مثالیہ کی صُورت میں مقرر کیا ہے آپ کا اس مسئلہ میں کیا عقیدہ ہے؟

جواب:- صورت جامعہ مذکورہ کی رویت اللہ تعالیٰ کی رویت نہیں ہے بلکہ اس کے کمالات کے مظاہر میں سے ایک مظہر کی رویت ہے جس نے عالم مثال میں ثبوت پیدا کیا ہے ؎

یَرَاہُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِغَیْرِ کَیْفٍ وَّ اِدْرَاکٍ وَّضَرْبٍ مِّنْ مِّثَالٍ

اللہ تعالیٰ کی روایت کو صورت کی رویت قرار دینا اصل میں اللہ تعالیٰ کی رویت کی نفی کرنا ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ وہ صُورت جو عالم مثال میں حاصل ہوتی ہے خواہ وہ کتنی ہی جامع ہو آخر عالم مثال کے اندازہ کے مطابق ہی ہوگی اور عالم مثال اگرچہ وسعت رکھتا ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ کے مخلوق عوالم میں سے ایک عالم ہے اس صورت کی جامعیت جو اس میں ہوگی کیا گنجائش رکھتی ہے کہ خدا تعالیٰ کے تمام کمالات کی جامع ہو اور سب کو ضبط کر سکے تاکہ اس مرتبہ مقدسہ کا آئینہ بنے اور اس کی رویت اللہ تعالیٰ کی رویت ہو۔

اگرچہ صفت علم کہ صفات وجودیہ میں سے ہے اور صفات ذاتیہ میں سے جامع ترین ہے اس کی گنجائش نہیں رکھتا کہ تمام صفات واعتبارات ذاتیہ کا جامع ہو جیسا کہ اس کی تحقیق اوپر گذر چکی ہے۔ عالم مثال جو کہ ممکن اور مخلوق ہے اس کی کیا حیثیت ہے کہ اس میں کوئی ایسی صورت ہو جس میں اللہ تعالیٰ کے تمام کمالات جمع ہوں اور اگر بالفرض ہم اُس کو جامع بھی کہیں تو پھر بھی وہ اس مرتبہ مقدسہ کے ظلال میں سے ایک ظل ہوگی۔ اور ظل کی رویت اصل کی رویت نہیں ہوتی۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اُخروی رویت کو لیلۃ البدر میں چاند کی رویت سے تشبیہ دی ہے اور پردہ نہیں چھوڑا ہے اور ظل کی روایت ایسی ہے جیسے چاند کو پانی کے تھال میں دیکھا جائے کہ بلند فطرت والے اس کو پسند نہیں کرتے۔

اور کہ میں اس قدر آتا ہے کہ اس مرتبہ مقدسہ کا ظہور ہو سکتا ہے کہ علم کے خزانہ سے باہر ہو اور مرتبہ خارج کے ظل میں ثبوت پیدا کرے جیسا کہ پہلے گذر چکا اور اس ظہور جامع کا خانہ علم میں کوئی جامع ظل ہو کہ اس کو تعین اوّل سے تعبیر کریں اور اس ظل جامع کا عالم مثال میں ایک دُوسرا ظل ہو جامع جو کہ ظل جامع علمی کی مرآتیت

۱؎ مومن اللہ تعالیٰ کو بغیر کیف، ادراک اور مثال کے دیکھیں گے۔ ۱۲

کرے اور یہ جامع مثالی خلق جو کہ لطیفہ کی صورت میں عالم مثال میں ظاہر ہو اور انسانی صورت میں ثابت ہو جو کہ جامع ترین مخلوق ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ (اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) ہو سکتا ہے کہ یہ اسی اعتبار سے آیا ہو۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی رویت وہ ہے جو ظہورات اور صورسے ماوراء ہو اور عالم بے کیف و بے چگون سے ہو۔ رویت اُخروی پر ایمان لانا چاہیئے اور کیف و چند و چوں میں مشغول نہ ہونا چاہیئے۔ آخرت کی خلق و وجود کو دُنیا کے خلق و وجود سے کوئی نسبت نہیں ہے تاکہ ایک کے احکام کو دُوسرے پر قیاس کیا جائے اس جگہ آنکھ دُوسری ہے اور فہم و ادراک دُوسرا ہے اُس کو دوام ابدی ہے اور اس کے پیچھے فنا اور زوال ہے وہ سراسر نظافت و لطافت ہے اور یہ خبیث اور کثیف ہے اور شیخ قدس سرہٗ اللہ تعالیٰ کے لئے خارج علم سے باہر ظہور ثابت نہیں کرتے اور مجالی و مظاہر کے سوا شہود اور مشاہدہ اور رویت تجویز نہیں کرتے ہے

آں[1] ایشا نند و من چنینم یارب

کیا کیا جائے کہ اس میدان میں شیخ قدس سرہٗ ہے کہ کبھی اس سے جنگ ہے اور کبھی صلح۔ وُہی ہے جس نے معرفت اور عرفان کی باتوں کی بنیاد رکھی ہے اور اُن کو شرح و بسط دیا ہے اور وُہی ہے جس نے توحید و اتحاد کے متعلق تفصیل سے بات کی ہے اور تکثر و تعدد کا منشا بیان فرمایا ہے اور وُہی ہے جس نے وجود کو کلی طور پر خدا تعالیٰ کے لئے مقرر کیا ہے اور عالم کو موہوم و متخیل قرار دیا ہے اور وُہی ہے جس نے وجود کے لئے تنزلات ثابت کئے ہیں اور ہر ایک کے احکام کو جدا کیا ہے اور وہی ہے جس نے عالم کو عین حق سمجھا ہے اور "ہمہ اوست" (سب کچھ وہی ہے) کہا ہے اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کے مرتبہ کو عالم سے علیحدہ پایا ہے اور اپنی دید و دانش سے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کو منزّہ اور مبرّا جانتا ہے۔

وُہ مشائخ جو شیخ سے پہلے تھے اُنہوں نے اگر اس باب میں کوئی بات کہی بھی ہے تو وہ اشارات سے کہی ہے اور اس کی شرح و تفصیل میں مشغول نہیں ہوئے اور وہ لوگ جو شیخ کے بعد اس طائفہ میں آئے ہیں ان میں سے اکثر نے شیخ کی تقلید کی ہے اور اسی کی اصطلاح کے موافق بات کی ہے۔ ہم عاجز لوگوں نے بھی اس بزرگوار کی برکات سے بہت سے استفاضے کئے ہیں اور اس کے علوم و معارف سے بہت سا حصہ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ہماری طرف سے اچھی جزا دے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ چونکہ حکم بشریت خطا کا مظنہ اور محل صواب آپس میں ملے ہوئے ہیں اور انسان احکام میں کبھی غلطی کرتا ہے اور کبھی درست بات کہتا ہے تو لازمی طور پر اہل حق کے سواد اعظم کے مطابق صواب سمجھنا چاہیئے

---

[1] اے اللہ وہ اُس طرح ہیں اور میں اس طرح ہوں۔

اور اس کی مخالفت کو خطا کی دلیل سمجھنا چاہیئے خواہ قائل کوئی ہو اور مقولہ بھی کوئی ہو۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عَلَیْکُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ (بڑی جماعت سے ملحق رہو)

اور یہ بھی مقررہ قاعدہ ہے کہ کسی پیشہ کی تکمیل افکار کے ملنے اور نظریوں کے اختلاف سے ہوتی ہے سیبویہ کے متعلق اگرچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ علم نحو کے احکام کا بانی ہے لیکن وہ نحو جس نے پچھلے لوگوں کے افکار کے ملنے اور ان کے نظریوں کے اختلافات سے کمال درجہ کی تنقیح پیدا کی ہے وہ چیز ہی دوسری ہے اور اس نے دوسری زیب و زینت پائی ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک دوسری قسم بن گئی ہے اور اس نے علیحدہ احکام پائے ہیں۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۸۰

بجناب مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ صادر فرمایا

(عارف کو بخشی ہوئی ذات کی طرف چیزوں کی نسبت کرنے کے بیان میں)

تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں اس کی راہنمائی فرمائی اور اگر ہمیں اللہ تعالیٰ راہ نہ دکھاتا تو ہم کبھی راہ نہ پا سکتے یقیناً ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے علیہم الصلوات والتسلیمات۔

ہر ایک ظل کو اپنے اصل کی طرف ایک شاہراہ ہے اور کوئی کانٹا اور تنکا ان کے درمیان حائل نہیں ہے اگر کوئی کانٹا اور تنکا ہے بھی تو اس کی توجہ اپنی طرف ہے اور اصل سے اعراض (منہ پھیرنا) ہے اور ظل کی حیثیت اصل کے امانت دار ہونے سے زیادہ نہیں ہے کیونکہ وہ جو کچھ بھی رکھتا ہے یعنی وجود اور توابع وجود کے کمالات وہ اصل سے مستفاد ہیں وہ صرف عدم ہی ہے جو اصل کے واسطہ کے بغیر اس کو حاصل ہو سکتا ہے اور وہ محض لاشئے ہے اور صرف ایک اعتبار ہے اور اس ظل نے اپنی کمال نادانی سے اپنے اصل کو فراموش کر دیا ہے اور اس کی امانتوں کو اپنی طرف سے سمجھ لیا ہے اور امانت میں خیانت کی ہے اور باوجود ذاتی قباحت کے جو وہ عدم کی راہ سے رکھتا ہے اپنے آپ کو اس نے اچھا اور کامل سمجھ لیا ہے۔

لیکن اپنی طرف توجہ کرنے اور اصل سے منہ پھیرنے کے باوجود بھی اس کو اپنے اصل سے طبعی لگاؤ اور محبت ثابت ہے اسے وہ جانے یا نہ جانے بلکہ وہ محبت جو وہ اپنے آپ سے رکھتا ہے وہی محبت حقیقت میں اصل سے متعلق ہے کیونکہ حسن و کمال جو کہ محبت کا متعلق ہے اصل سے ہے نہ کہ اس سے کہ وہ سوائے عدم

اور قباحت کے اپنی طرف سے کوئی چیز نہیں رکھتا کہ محبت اس سے تعلق پیدا کرے جب کہ کئی بار تحقیق کیا جا چکا ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے یہ خود بینی کا مرض اس سے دُور ہو جاتا ہے اور وہ اپنے جہلِ مرکب سے باز آ جاتا ہے اور امانت کو اہلِ امانت سے سمجھتا ہے اور اس کی توجہ کی بجائے جو وہ اپنی طرف رکھتا تھا اپنے آپ سے مُنہ پھیرتا ہے اور وہ اعراض جو وہ اپنے اصل سے رکھتا تھا اس کی طرف توجہ کرنے سے تبدیل ہو جاتا ہے تو اس وقت اس کو سعادت کا سرِرشتہ ہاتھ میں آ جاتا ہے اور اصل سے وصول کی اُمید حاصل ہو جاتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جبکہ عالم اللہ تعالیٰ کی صفات و اسماء کا ظل ہے تو اس کے اصُول بھی اسماء و صفات ہوں گے اور ظلال اعراض ہیں کہ جن کا قیام اپنے اصُول سے ہے جو کہ اسماء و صفات ہیں اور ان میں کوئی چیز بھی جوہر نہیں ہے کہ وہ اس کے ساتھ قائم ہوں نظّام معتزلی (بحکم ان الکذوب قد یصدق (کبھی جھوٹا بھی سچی بات کہہ دیتا ہے) اس راز پر آگاہ ہُوا اور اس نے کہا کہ عالم سب کا سب اعراض ہے اور ان میں کوئی جوہر نہیں ہے جس کے ساتھ وہ قائم ہوں۔ لیکن اس نے اس بات میں غلطی کی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ "ان اعراض کا قیام ان کی اپنی ذات سے ہے" اور ان کے اصول سے غافل رہا کہ جس کے ساتھ وہ قیام رکھتے ہیں۔

اور صوفیاء میں سے شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ نے عالم کو اعراض مجتمعہ فرمایا ہے اور ان کے قیام کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے کہا ہے نہ کہ اسماء و صفات سے جو کہ ان کے اصُول ہیں۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ تمام وجوہ و اعتبارات سے خالی صرف ذات سے قیام کا کیا مطلب ہے حالانکہ اس جگہ قیام کا معنی صرف اختصاص نعت ہے (یعنی تعلق خاص جو قائم اور محل قیام کے درمیان ہو) ہے اور اس جگہ نعت ہی نہیں ہے تو قیام کیسا؟ اور یہ بھی ہے کہ قیام عبارات و وجوہ منفیہ کے اقسام میں سے ہے تو اس مرتبہ مقدسہ میں اس کے اثبات کا کیا معنی ہے؟

اور جب افرادِ عالم اسماء و صفات کے ظلال ہوں گے تو لازماً ان کا وصُول بھی ان کے اصول سے ہو گا جو کہ اسماء و صفات ہیں اور اگر اصُول کے اصُول تک بھی پہنچ جائیں تو ذات مجرّد مقدس تک منتہی ہوں گے اور اس سے آگے نہ گذر سکیں گے کہ اصل کو بھی اس جگہ گنجائش نہیں ہے کہ اس جگہ سب سے غنا ذاتی ہے خواہ وہ اسم ہو خواہ صفت اور خواہ شان ہو اور خواہ اعتبار۔ پس عالم کو اللہ تعالیٰ کے مرتبہ مقدسہ سے سوائے محرومی کے اور کچھ نصیب نہیں ہوتا اور وصل و اتصال کی اس جگہ گنجائش نہیں ہے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے کہ اپنی کمال شفقت و مہربانی سے بڑی لمبی مدت اور دراز عرصہ کے بعد کسی صاحب دولت کو فنائے اتم کے بعد بقائے اکمل بخشتے ہیں اور ذاتِ اقدس کا نمونہ اس کو عطا فرماتے ہیں کہ اس کا قیام جیسا کہ پہلے اس کے اصل سے تھا جو کہ اسماء و صفات ہیں اب وہ اس نمونہ سے قائم ہے اور ان اعراض سابقہ کا مجموعہ جو وہ رکھتا تھا اور یہ ذات موہوب (بخشی ہوئی) اس کی حقیقت ہوتی ہے اور اس کا انسانی کمال انجام تک پہنچتا ہے اور اس کے

حق میں اللہ تعالٰے کی نعمت پوری ہوتی ہے۔

میں ایک بات کہتا ہوں اس کو غور سے سُن کہ عارف کا قیام اس ذات موہوب کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام افراد عالم جوکہ اعراض مجتمعہ ہیں جیسا پہلے قیام اسماء وصفات سے رکھتے ہیں اب ان کا قیام اس ذات موہوب سے وابستہ کردیتے ہیں اور اس ایک ذات سے سب کو قائم کرتے ہیں ؎

خاص کند بندۂ مصلحت عام را

انسان کی خلافت کا راز جو آیت کریمہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں) میں آیا ہے اس جگہ متحقق ہو جاتا ہے اور اس حدیث کی حقیقت کہ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (اللہ تعالٰے نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) اس مقام میں واضح ہوجاتی ہے اور وہ جو ہم نے کہا ہے کہ اس کو ذاتِ تعدس کا نمونہ عطا فرماتے ہیں یہ میدان عبارت کی تنگی کی وجہ سے ہے ورنہ نمونے کی اس جگہ گنجائش نہیں ہے اور کونسی چیز ہے جو اس کی صورت پر آئے اور صورت کو اس جگہ کیا مجال ہے؟

جاننا چاہیئے کہ اس قسم کے بزرگ ایک زمانہ میں متعدد نہیں ہوتے بلکہ وہ بڑی مدت کے بعد پیدا ہوتا ہے تو ایک زمانہ میں ان کا متعدد ہونا کس طرح متصور ہو سکتا ہے۔ اگر اس قسم کی دولت کے ظہور کی مدت مقرر کروں تو شاید بہت تھوڑے لوگوں کو اس کا یقین آئے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے معاملہ میں بھلائی پیدا کر۔

جاننا چاہیئے کہ وہ عارف جس کو بقائے ذات سے مشرف کرتے ہیں تو وہ ذات موہوب بے چون ہوگی اور وجوہ و اعتبارات سے بلند تر ہوگی کیونکہ جو بھی چون ہے وہ وجوہ و اعتبارات کا مقید ہے جب تک وہ بے چون نہ ہوگا وجہ و اعتبار سے رہائی نہ پائے گا اور وُہ ذات جس کو بے چونی سے حصّہ ملا ہے، اس کو ذات بے چون حقیقی جل شانہ کی طرف شاہراہ ہے جس طرح کہ وجہ و اعتبار ظل کو وجہ و اعتبار کی طرف راہ ہے جو کہ اس کا اصل ہے اور اس ذات کو جو ظل سے مجرد ہے اس کو بھی ذات مجرد بے چون کی طرف شاہراہ ہے اور یہ ذات موہوب عارف کی حقیقت ہے کیونکہ حقیقت وُہ ہوتی ہے کہ جو تمام وجوہ و اعتبارات سے ورا ہو اور یہ ذات تمام اعتبارات سے ماوراء ہے اور باقی افراد عالم کی حقیقت نہیں ہے کہ ان کا تمام وجود وجوہ و اعتبارات ہے اس جگہ اعتبارات کے علاوہ کوئی ذات نہیں ہے کہ جس کو حقیقت کہا جائے پس جو نکہ ان میں کُنہ (حقیقت) نہیں ہے تو اصل کُنہ سے ان کو کیا حصّہ مل سکتا ہے؟ حقیقت کو حقیقت سے راہ ہوتی ہے وجہ کو کُنہ سے کیا مناسبت ہے۔ گویا کہ کُنہ کُنہ کے مقابل ہے اور وجہ کو کُنہ سے انحراف ہے وُہ کُنہ تک کیسے پہنچ

لہ وُہ کسی بندے کو تمام لوگوں کی مصلحت کے لئے خاص کر لیتا ہے۔

سکتا ہے جتنا وہ دُور جائے گا اتنا ہی وہ دُور تر جا پڑے گا ؎

ترسم نرسی بکعبہ اَے اعرابی کیں راہ کہ تو میروی بترکستان است[1]

اور گُنہ کو کُنہ کے متقابل کہنا عبارت کے میدان کی تنگی کی وجہ سے ہے ورنہ اس بارگاہ میں محاذات (برابری) کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ بے چون معنی مثالی صورت میں چونکہ محاذات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اس لئے محاذات کا اطلاق بسبیل مجاز کیا گیا ہے۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا ہم غلطی کریں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔

سوال: جب افراد عالم کو جو کہ اعراض مجتمعہ ہیں عارف کی ذات موہوب سے قیام پیدا ہوتا ہے جیسا کہ گذر چکا تو ان کو اللہ تعالےٰ سے نسبت بھی اسی عارف کی ذات کے ذریعہ سے ظاہر ہوتی ہے اور ان کے افراد کو اسی راہ سے اس مرتبۂ مقدسہ سے حصّہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ ان کی ذات وہی عارف کی ذات ہے گویا کہ اپنی ذات کے ذریعہ سے ذات بے چون سے تعلق پیدا کیا ہے۔ اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذات سے ان کی نسبت اس عارف کے ذریعہ سے ہے کہ وہ ذات حقیقت میں ذات عارف ہے۔

ایک عجیب بات سُن کہ جس کو بھی اپنی ذات سے نسبت بذات خداوندی جل شانہٗ اور اس مرتبۂ مُقدسہ سے بے چون وصول ہے تو اس مرتبۂ مقدسہ سے فیوض و برکات اخذ کرنے میں اصالت و استقلال رکھتا ہے اور درمیان میں کوئی واسطہ نہیں ہے وسائط اس مرتبۂ مقدسہ سے بہت نیچے ہیں جس کو بھی واصلین میں سے اپنی استعداد کے مطابق حصّہ ملتا ہے وہ بطریق اصالت ملتا ہے اور اللہ سُبحانہٗ وتعالےٰ ہی تمام امور کے حقائق کو خوب جانتا ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھُدیٰ۔

مکتوب نمبر ۱۸

خواجہ جمال الدین حسین کی طرف صادر فرمایا

(ایک معاملہ کے حل اور واقعہ کی تعبیر کے بیان میں)

حمد و صلوٰۃ و دُعا گوئی کے بعد فرزند عزیز کو بتاتا ہوں کہ جو صحیفہ شریفہ آپ نے ارسال کیا تھا پہنچا۔ چونکہ اس میں عافیت اور صوری و معنوی جمعیت کے متعلق لکھا تھا اس لئے خُوشی ہوئی۔ وہ کشف و واقعہ جو پیش آیا تھا لکھا تھا اور اس کی تعبیر پوچھی تھی، لکھا تھا کہ "میں وضو کرنے کے خیال میں تھا کہ یکبارگی بے ہوش ہو کر

---

[1] اے اعرابی میں ڈرتا ہوں کہ تو کعبہ تک نہ پہنچ سکے گا کیونکہ یہ راہ جس پر تو جا رہا ہے ترکستان کو جاتا ہے۔

گر پڑا گویا جان بدن سے نکل آئی اور جب کچھ افاقہ ہوا تو ایک نور دیکھا جو سورج کی طرح روشن تھا جس نے اپنی انتہائی لطافت سے بے ہوش کر دیا تھا جیسا کہ کوئی شخص اپنے محبوب کو دیکھے اور اس کے جمال کے پرتو میں محو ہو جائے اور اس کا اپنا کوئی نام و نشان باقی نہ رہ جائے ؛

عزیز بیٹے کو معلوم ہونا چاہیئے کہ انسان لطائف سبعہ مشہورہ سے مرکب ہے اور ہر ایک لطیفہ کا کاروبار الگ ہے اور احوال و مواجید علیحدہ ہیں اس وقت تک فرزند کے احوال و اذواق لطیفۂ قلب سے تعلق رکھتے تھے اور تلوینات قلب سے متلوّن تھا ۔ اب یہ قوی وارد جو بے شعور تیرے روح پر اترا اور روح کو اپنے تصرف میں لایا ۔

ان الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها وجعلوا اعزة اهلها اذلة (سورہ نمل پارہ ۱۹)

بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسکو تہس نہس کر دیتے ہیں اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔

جب دانش و شعور کا غشا جو کہ روح ہے ایک وارد سے مغلوب ہو گیا تو بیہوش ہو گئی ۔ اس وقت آپ کا کاروبار لطیفہ روح سے متعلق ہے۔ آج کے حلقہ میں اس نسبت کی تکمیل کے لئے کچھ تھوڑی سی امداد و اعانت وقوع میں آئی ہے اور اس کے اثر کا ظہور مشہود ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ وسعت پیدا کی ہے اور سرایت کرنے کے درپے ہے خداوند تعالٰے انجام تک پہنچائے ۔

اور دوسرا واقعہ جو لکھا تھا کہ "تمہارے گھر میں بنات النعش اور پروین اکٹھے ہو گئے ہیں" اس کی تعبیر بھی پہلے واقعہ کی تعبیر کے مطابق ہے کہ نسبت قلبی اور نسبت روحی کو ان دو قسم کے ستاروں کی ملاقات سے ظاہر کیا ہے۔ پروین میں چونکہ ستاروں کی جمعیت ہے وہ دل کے مناسب ہے اور بنات النعش میں چونکہ ستاروں کی پراگندگی ہے وہ روح کے مناسب ہے۔ دوسرا واقعہ اگر پہلے واقعہ کے بعد ظاہر ہوا ہے تو درست ہے اور دو نسبتوں کے حصول کو جمع کیا ہے اور اگر اس سے پہلے ہے تو بھی درست ہے کیونکہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی نسبت حاصل ہو جاتی ہے اور ظاہر نہیں ہوتی اس کے حصول کو دکھایا ہے اور اس کے بعد ایک دوسرے واقعہ سے اس کو ظاہر کیا ہے اور اللہ تبارک و تعالٰے ہی درست بات کو بہتر جانتے، تو پاک ہے ہمیں تیرے بتائے ہوئے کے بغیر کچھ بھی علم نہیں ہے ۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۰

حضرات مخدوم زادگان خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم مد ظلہما کی طرف صادر فرمایا۔

(فراق کے درد کے اظہار اور بعض بشارتوں کے بیان میں)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ فرزندان گرامی ظاہری و باطنی جمعیت سے رہیں۔ ان سفروں میں دونوں بیٹوں کی مفارقت کے برابر کوئی تکلیف نہیں دیکھی اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ان کی یاد سے فارغ ہوں۔ جتنی بھی خدا تعالیٰ کی نعمتیں زیادہ آرہی ہیں اتنی ہی دور افتادہ دوستوں کی یاد بھی زیادہ آرہی ہے۔ روزمرہ کے حالات روز بروز لکھے جارہے ہیں اور ان کو صاف کرکے تحریر کیا جارہا ہے لیکن ان کو سمجھنے والا کون ہے اور جو ان سے فائدہ اٹھائے وہ کون ہے۔ خواجہ محمد ہاشم بھی غنیمت ہے کہ بات سمجھنے کا ملکہ رکھتا ہے اور مختصر یہ کہ ان سے لذت بھی حاصل کرتا ہے لیکن اس سفر اجمیر میں محنت کی شدت سے صحیح اللہ پیچھے رہنے والوں سے ہو چکا ہے شاید کچھ لوگ موافقت کریں۔ "ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہتر کارساز ہے"۔ ساتھی بھی کم ہیں اور راہ کا خرچ اور خوراک وغیرہ بھی کم ہے۔ "کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں ہے"۔ کیوں نہیں۔

دوسری یہ بات ہے کہ تمہاری جدائی سے آزردہ ہو کر ایک رات نماز تہجد کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ تم دونوں بھائی اپنے دوستوں میں سے ایک آدمی کے ساتھ بادشاہ کے وکیل کے سامنے گئے ہو کہ بادشاہ کے نوکر ہو جاؤ اور نوکری کی تجویز کو اس وکیل کے سپرد کر دیا گیا ہے جس کو قابل سمجھے اسے نوکر رکھے اور جس کو وہ تجویز کرے ایک کاغذ پر اس کا حلیہ لکھ دے اور اس ورق کے کنارہ پر لکھے کہ اس کو نوکر رکھ لیں۔ ان تین آدمیوں میں سے تم دونوں بھائیوں کا حلیہ اس نے لکھا ہے اور نوکری تجویز کی ہے اور اس تیسرے دوست کا حلیہ اس نے نہیں لکھا اور نہ نوکر رکھا ہے۔ میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اس تیسرے آدمی کا حلیہ کیوں نہیں لکھا تو تم نے کہا ہے کہ حلیہ لکھتے وقت اپنے چہرہ کو اس کے چہرہ کے قریب لایا ہے اور اچھی طرح ملاحظہ کیا اور کہا کہ یہ چہرہ سیاہ ہے یا اس کے قریب قریب کچھ الفاظ کہے اور حلیہ نہ لکھا۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تعریف ہے کہ تم دونوں کی جانب سے دل مطمئن ہوگیا کہ ان کو قبول کرلیا ہے لیکن اس تیسرے دوست کی طرف سے دل آزردہ ہے جو کہ تجویز نہیں ہو سکا۔ شاید بادشاہ کے نوکروں کی نوکری کے لئے اس کو قبول کرلیں۔ عاقبت بخیر ہو۔

مکتوب نمبر ۸۳

حضرات مخدوم زادگانِ کبار سلمہا اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا

(مشکل برکات کے بیان میں کہ ان میں رہنا اپنے اختیار میں نہیں ہے)

فرزندان گرامی جمعیت خاطر سے رہیں۔ آدمی ہر وقت ہماری محنت کو نظر میں رکھتے ہیں اور اس تنگی سے خلاصی چاہتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ نامرادی اور بے اختیاری اور ناکامی میں کس بلا کا حسن و جمال ہے اور کونسی نعمت اس کے برابر ہے کہ اس آدمی کو بے اختیار اختیار سے باہر لائیں اور اپنے اختیار سے اس کو زندگانی دیں، اور اس کے اختیاری امور کو بھی اس بے اختیاری کے تابع کر دیں اور اس کو دائرۂ اختیار سے باہر لے آئیں اور جیسے مُردہ غسّال کے ہاتھ میں ہوتا ہے اس کو بھی ایسا ہی بنا دیں۔

قید کے دنوں میں کبھی اپنی ناکامی و بے اختیاری کا مطالعہ کرتا تو عجیب طرح کی لذت پاتا اور عجیب ذوق معلوم ہوتا۔ ہاں اسباب فراغت اسباب بلا کے ذوق کو کیا پائیں اور ان کی بلا کے جمال کا وہ کیا ادراک کر سکیں پر تلی کے لئے لذت صرف سختائی میں ہے اور جس نے تلخی سے حصّہ پایا جو وہ شیرینی کو ایک جَو سے بھی نہیں خریدتا ہے

مرغ آتش خوارہ کے لذّت شناسد دانہ را

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

مکتوب نمبر ۸۴

حافظ عبد الغفور کی طرف صادر فرمایا

(اس طریقہ علیہ کے آداب کے بیان میں)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اس راہ کے طالب کو چاہیئے کہ اہل حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی درست آراء کے مطابق عقائد کی درستی کے بعد اور احکام فقہیہ ضروریہ کے بعد اور اس علم کے مطابق عمل کرنے کے بعد اپنے تمام اوقات کو ذکرِ الٰہی جل شانہٗ میں مصروف رکھے لیکن شرط یہ ہے کہ اس ذکر کو کسی شیخ کامل مکمل سے اخذ کیا ہو کیونکہ ناقص سے کامل نہیں آتا اور اپنے اوقات کو ذکر سے اس طریقہ

ؔ آگ کھانے والا پرندہ دانے کی لذت کب جانتا ہے۔ ۱۲

پر آباد رکھے کہ فرائض و سنن مؤکدہ کی ادائیگی کے بغیر کسی چیز میں مشغول نہ ہو یہاں تک کہ تلاوت قرآن مجید اور نفلی عبادتوں کو بھی موقوف رکھے اور با وضو ذکر کہے اور کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے بھی اسی کام میں مشغول رہے اور آمد و رفت اور خورد و نوش اور سوتے جاگتے کسی وقت بھی ذکر سے خالی نہ رہے ؎

ذکر گو ذکر تا ترا جان است　　پاکیٔ دل ز ذکر رحمان ست

اسی طرح ہمیشہ ذکر میں مشغول رہے کہ مذکور کے سوا ہر چیز اس کے سینہ کے میدان سے اپنا سامان باندھ کر کوچ کر جائے اور اس کے باطن میں ماسوا کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہے یہاں تک کہ بطور وسوسہ بھی ماسوا اس کے دل میں گذر نہ کرے اور اگر تکلف سے بھی غیر کو دل میں لانا چاہے تو اس نسیان کی وجہ سے جو اس کے دل کو مذکور کے سوا حاصل ہو چکا ہے میسر نہ ہو اور یہ نسیان جو دل کو مطلوب کے سوا تمام ماسوا سے حاصل ہوا ہے حصول مطلوب کا مقدمہ ہے اور اس کے وصول کی بشارت دینے والا ہے اور حصول مطلب اور وصول حقیقی بمقصود کے متعلق کیا لکھوں کہ وہ وراء الوراء ہے ؎

کَیْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰی سُعَادَ وَدُوْنَھَا　　قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَھُنَّ حُتُوْفُ

اور جب برادرِ عزیز اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس سبق کو انجام تک پہنچائے گا تو دوسرے سبق کی طلب کرے گا اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہی توفیق دینے والے ہیں۔

مکتوب نمبر ۸۵

حضرت ذوی البرکات مخدوم زادگان خواجہ محمد سعید و محمد معصوم سلمہا اللہ کی طرف صادر فرمایا

(اوقات کی حفاظت کے متعلق نصیحت کے بیان میں)

اس علاقہ کے احوال و اوضاع قابلِ تعریف ہیں اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہی کی مشیت کے مطابق تمہاری سلامتی اور عافیت کی دعا ہے۔

اگر اجمیر پہنچ گئے اور راہ کی سختیوں اور شدید گرمی سے نجات میسر ہو گئی تو تمہیں لکھوں گا اور انشاء اللہ تعالیٰ بلاؤں گا جمعیت خاطر سے رہیں اور اپنی تمام ہمت کو اللہ جل شانہٗ کی رضامندی میں مصروف رکھیں ایسا نہ ہو کہ فراغت میں پڑ جائیں اور نفس کو خوش کریں اور اہل و عیال سے پوری محبت کرنے لگیں اور اس ضروری کار خانہ میں

ے جب تک تجھ میں جان ہے ذکر کرتا چلا جا دل کی پاکیزگی خدا تعالیٰ کے ذکر سے ہے۔ ۱۲

ے سعاد تک کس طرح پہنچا ہو سکے اس کے سامنے پہاڑوں کی چوٹیاں ہیں اور ان سے پہلے کتنی ہلاکتیں (بلندیاں اور پستیاں) ہیں۔

فتور پڑھ جائے کہ پھر سوائے محرومی اور ندامت کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا اس صحبت و اس دولت کو غنیمت جانیں اور اہم امور میں وقت گزاریں، اطلاع دینا شرط ہے نئے معارف جو لکھے گئے ہیں یہ سب یکے بعد دیگرے آپ کے سبق ہیں ان کو سرسری طور پر نہ پڑھیں اور ان کے مطالعہ کی جد و جہد کریں شاید ان کے پوشیدہ رازوں کا دریچہ کھل جائے اور سرمایہ سعادت بن جائے۔

مَیں نے تمھارے بارے میں ایک بشارت پائی ہے جسے ایک خط میں لکھ کر محمد ہاشم کشمی کے سپرد کیا ہے کہ تمہیں پہنچا دے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تم کو ضائع نہ کرے گا اور قبول فرمائے گا لیکن ترساں و لرزاں رہیں اور لہو و لعب میں نہ گزاریں صحبت کی دُوری ایسا نہ ہو کہ کوئی تاثیر پیدا کرے اور خداوند تعالیٰ سے ملتجی اور متضرع رہیں اور بقدر ضرورت اہل حقوق سے اختلاط رکھیں اور ان کی خاطرداری کریں اور عورتوں کی جماعت سے وعظ و نصیحت سے زندگی گذاریں اور ان کے حق میں امر معروف اور نہی منکر سے دریغ نہ کریں اور اپنے تمام گھر والوں کو نماز اور درستی اور شرعی احکام کی تعمیل کی ترغیب دیں کہ تم اپنی رعیت کے متعلق پوچھے جاؤ گے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے تم کو علم دیا ہے اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائے اور اس پر استقامت دے آمین۔

مکتوب نمبر ۸۶

درویش حبیب خادم کی طرف صادر فرمایا

(کرامات کے کم یا زیادہ ظاہر ہونے کے اسرار کے بیان میں)

ضرورت سے زیادہ مباح چیزوں کا ارتکاب کرامات کے کم ظاہر ہونے کا سبب ہے خصوصاً جبکہ زائد چیزوں کی کثرت معاشرت مشتبہ حد تک پہنچ جائے اور پھر اس جگہ سے خدا کی پناہ کہ حرام کے اردگرد پھرنے لگے کرامات کہاں اور خوارق کونسے؟ جتنا بھی مباح چیزوں کا دامن تنگ کر دیا جائے گا اور ضرورت کے اندازہ پر اکتفا کیا جائے گا۔ اتنی ہی کشف و کرامات کی گنجائش زیادہ ہوگی اور ظہورِ خوارق کی راہ اتنی ہی کشادہ تر ہوگی۔

ظہورِ خوارق نبوت کی شرط ہے نہ کہ شرطِ ولایت کیونکہ نبوت کا اظہار واجب ہے نہ کہ اظہارِ ولایت بلکہ اس مرتبہ میں چھپنا اور پوشیدہ رکھنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس جگہ خلق کو دعوت دینا ہے اور اس جگہ اللہ جل شانہٗ کا قرب ہے اور معلوم ہے کہ دعوت کے لئے اظہار لازم ہے اور قرب کے لئے پوشیدگی مناسب ہے کسی ولی سے خوارق کے ظہور کی کثرت اس کی دوسروں پر افضلیت پر دلالت نہیں کرتی کہ جس سے اس قدر خوارق

ظاہر نہیں ہوتے بلکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسا ولی ہو جس سے کوئی بھی کرامت ظاہر نہ ہوتی ہو اور وہ ان اولیاء سے افضل ہو جن سے کرامات کا ظہور بکثرت ہوتا ہے۔

چنانچہ شیخ الشیوخ نے اس معنی کی تحقیق کتاب عوارف المعارف میں فرمائی ہے جب کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ و السلام میں ظہور کثرت و قلت خوارق جو کہ نبوت میں شرط ہے فاضلیت و مفضولیت کا سبب نہیں ہے اور ولایت جس میں شرط نہیں ہے تفاضل کا سبب کیسے ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ریاضات و مجاہدات اور اپنے نفس پر مباح چیزوں کے ارتکاب کا دائرہ تنگ کرنے کا اصل مقصد ظہور خوارق ہے جو کہ ان پر واجب ہے اور ان کی نبوت کی شرط ہے۔ نہ کہ قرب الٰہی جل شانہٗ کے درجات تک وصول کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مجتبا ہیں کہ جن کو جذب محبت کی کنڈی سے کھینچ کھینچ کر لے جاتے ہیں اور بے مشقت ان کو قرب الٰہی کے درجات تک پہنچا دیتے ہیں وہاں صرف انابت و ارادت ہے۔ کیونکہ ریاضات و مجاہدات قرب الٰہی جل شانہٗ کے درجات تک پہنچنے کے لئے درکار ہے جو کہ مریدوں کی راہ ہے اور مُرادوں کی راہ اجتباء مرید مشقت سے اور اپنے پاؤں کی محنت سے خود چلتے ہیں اور مُرادوں کو ناز و نعمت سے لے جاتے ہیں اور بغیر محنت کے ان کو قرب کے درجات تک پہنچا دیتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ ریاضات و مجاہدات انابت و ارادت کی راہ کی شرط ہے اور اجتباء کی راہ میں مجاہدات شرط نہیں ہیں اس کے باوجود نفع بخش ضرور ہیں۔ مثلاً وہ شخص جس کو کھینچ کر لے جا رہے ہیں وہ اس کشش کے ساتھ اپنے لے جانے میں خود بھی محنت اور کوشش کرے تو اپنے مطلب پر جلدی پہنچ جائے گا اور اس آدمی سے بہت آگے نکل جائے گا جو اپنی کوشش نہیں کرتا اگرچہ ہو سکتا ہے کہ کبھی تنہا کشش بھی جبکہ بہت زیادہ طاقتور ہو بہت سا کام کرتی ہے اور اس کشش مرکب سے زیادہ فائدہ دیتی ہے۔ پس راہ اجتباء میں کوشش و تردد و مشقت کمال وصول کی شرط نہیں ہوتی جیسا کہ نفس وصول کی شرط نہیں ہے ہاں نفع کا احتمال ضرور رکھتی ہے اگرچہ بعض مقامات میں ہو۔

اور ریاضات و مجاہدات جو کہ ضروریات مباحہ پر اقتصار کرنے کا نام ہے کے فوائد و منافع ارباب اجتباء کے لئے بھی اس فائدہ کے بغیر کہ جس کا ذکر ہوا بہت ہیں۔ مثلاً جہاد اکبر کا دوام اور کمینی دُنیا کی آلودگیوں سے نظافت و طہارت کیونکہ جس قدر بھی حوائج ضروری ہیں وہ دُنیا میں داخل نہیں ہیں اور جو زائد ہیں وہ دنیا ہے ہے اور ریاضات اور ضرورت پر اقتصار کرنے میں دُوسرا فائدہ آخرت کے محاسبہ و مواخذہ کی کمی ہے اور پھر اُخروی درجات کی بلندی کا سبب بھی ہے کیونکہ جس قدر بھی دنیا میں محنت ہے اس سے کئی گنا زیادہ آخرت میں راحت ہے۔

پس دُوسرے وجوہات بھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ریاضات و مجاہدات کے لئے سوائے

مذکورہ بالا وجہ سے پیدا ہو گئے۔ پس واضح ہوا کہ ریاضات اور جائز ضروریات پر اکتفا کرنا اگرچہ راہِ اجتباء میں وصول کی شرط نہیں ہے لیکن بذاتِ خود وہ محمود و مستحسن ہے بلکہ مذکورہ فوائد کی بنا پر ضروری اور لازم ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔ والسلام علے من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب نمبر ۷۸

مولینا صالح کولابی کی طرف صادر فرمایا

(حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مُرادی و مریدی کے اسرار کے بیان میں)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ میں اللہ تعالےٰ کا مُرید بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ کا مُراد بھی، میری ارادت کا سلسلہ بلاواسطہ اللہ تعالیٰ سے متصل ہے اور میرا ہاتھ اللہ تعالےٰ کے ہاتھ کے قائم مقام ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ارادت بہت سے واسطوں سے ہے طریقہ نقشبندیہ میں درمیان میں اکیس[۲۱] واسطے ہیں اور طریقہ قادریہ میں پچیس[۲۵] اور طریقہ چشتیہ میں ستائیس[۲۷]، اور میری اللہ تعالےٰ سے جو ارادت ہے وہ واسطے کو قبول نہیں کرتی جیسا کہ پہلے گذر چکا۔ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مُرید بھی ہوں اور ان کا تبع، ہم پیر بھی اس دولت کے دسترخوان پر اگرچہ میں طفیل ہوں لیکن بن بلائے نہیں آیا ہوں اور اگرچہ میں تابع ہوں لیکن اصل سے بے نصیب نہیں ہوں اور اگرچہ میں امتی ہوں لیکن دولت میں شریک ہوں لیکن وہ شرکت نہیں جس سے ہمسری کا دعویٰ پیدا ہو کہ وہ کفر ہے بلکہ یہ شرکت خادم کی اپنے مخدوم کے ساتھ شرکت ہے مجھے جب تک بُلایا نہیں گیا میں اس دسترخوان پر حاضر نہیں ہوا ہوں اور جب تک انہوں نے خود نہیں چاہا میں نے اس دولت کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا ہے۔ اگرچہ میں اویسی ہوں لیکن میں اپنا حاضر و ناظر مربی رکھتا ہوں اگرچہ طریقہ نقشبندیہ میں میرا پیر عبد الباقی ہے لیکن میری تربیت کا کفیل خود اللہ الباقی ہے میری تربیت اللہ تعالےٰ کے فضل سے ہوئی ہے اور میں اجتباء کی راہ چلا ہوں میرا سلسلہ سلسلہ رحمانی ہے کہ میں عبد الرحمان ہوں کیونکہ میرا رب رحمان ہے اور میرا مربی ارحم الراحمین، اور میرا طریقہ طریقہ سُبحانی ہے کہ میں تنزیہ کی راہ پر چلا ہوں اور اللہ تعالےٰ کی ذات کے سوا کسی اسم اور صفت کو نہیں چاہا ہے یہ میرا سُبحانی کہنا وہ سُبحانی نہیں ہے جس کا بسطامی قائل ہوا ہے کہ اس کو اس سے کوئی ربط نہیں ہے کہ وہ انفس کی چوٹی سے باہر نہیں آیا ہے اور یہ انفس و آفاق سے ماوراء ہے اور وہ تشبیہ ہے جس نے تنزیہ کا لباس پہنا ہے اور یہ تنزیہ ہے کہ جس کو تشبیہ کی بو بھی نہیں

پہنچی ہے اور اس نے شکر کے چشمہ سے جوش مارا ہے اور یہ عین صحو سے برآمد ہوا ہے۔ ارحم الراحمین نے میرے حق میں تربیت کے اسباب کو موقوف علیہ نہیں رکھا ہے اور میری تربیت میں اپنے فضل کے سوا کسی کو علت فاعل نہیں بنایا اور اپنے کمال کرم سے اور اس غیرت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ میرے حق میں رکھتا ہے جائز نہیں رکھا ہے کہ میری تربیت میں کسی دوسرے کے فضل کا کوئی دخل ہو تاکہ میں اس معنی میں دوسروں کی طرف متوجہ ہوں، میں اللہ تعالیٰ کا پروردہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم ناعقابی کا مجتبا ہوں سے

باکریماں کارہا دشوار نیست

الحمد للہ ذی الجلال والاکرام والمنۃ والصلوٰۃ علی رسولہ والتحیۃ اولاً و آخراً

مکتوب نمبر ۸۸

حضرت مخدوم زادہ عالی مرتبہ خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا

(خلت خلیل اور تعین وجودی کے اثبات کے اسرار کے بیان میں)

اللہ تبارک و تعالیٰ جس بندہ کو اپنی خلت کی دولت سے جو کہ بالاصل حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مخصوص ہے مشرف فرماتا ہے اور ولایت ابراہیمی سے سرفراز کرتا ہے تو اس کو اپنا انیس و ندیم بنا لیتا ہے اور انس اور الفت کی نسبت جو کہ خلت کے لوازم سے ہے درمیان میں لاتا ہے تو خلیل کے اوصاف اور اس کے اخلاق کی کراہت اور قباحت نظر سے مرتفع ہو جاتی ہے کیونکہ قباحت اگر نظر میں ہو تو وہ نفرت اور بے الفتی کا سبب بن جاتی ہے جو کہ خلت کے مقام کے منافی ہے کہ وہ سراسر الفت ہے۔

سوال:۔ خلیل کے اوصاف کے قبح کا نظر سے مرتفع ہونا مجاز میں تو ظاہر ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس مقام میں خلت کی نسبت غالب آئے اور خلیل کے اوصاف کی قباحت کو پوشیدہ کر دے لیکن مرتبہ حقیقت میں کہ اس جگہ کسی شے کا علم اپنی اصل صورت میں ہے تو قبیح کو غیر قبیح جاننا اور خلت کی نسبت سے منسوب ہونا جائز نہیں ہے۔

جواب:۔ ہر قبیح میں حسن کے وجوہات میں سے کوئی نہ کوئی وجہ ثابت ہے پس ہو سکتا ہے کہ قبیح کو اس وجہ حسن کی وجہ سے حسن جانے اور اس کے حسن ہونے کا حکم فرمائے۔ جاننا چاہیئے کہ اگرچہ اس قبیح میں حسن مطلق پیدا نہیں ہوا ہے لیکن جب اس کے حسن کی وجہ اللہ تعالیٰ کو منظور و ملحوظ ہوئی ہے تو لازماً وہ حکم الٰہی جذب

لے شریفوں کے لئے کوئی کام مشکل نہیں ہوتے۔

اللّٰہِ ھُمُ الْغَالِبُوْنَ (خبردار! اللہ تعالیٰ کا لشکر وہی غالب آنے والا ہے) دوسرے وجوہ قبیح پر وہ غالب آجاتی ہے اور تمام کو اپنے رنگ میں رنگین کر دیتی ہے اور پسندیدہ بنا دیتی ہے۔ اُولٰئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنَاتٍ (یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے تبدیل کر دیتا ہے)

جان لے اللہ تعالیٰ تجھے سیدھے رستے کی طرف راہنمائی کرے کہ محبت اور خُلّت میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے خُلّت عام ہے اور محبت اس کا ایک کامل فرد ہے کیونکہ انس والفت کا حد سے گذرنا محبت ہے جو کہ گرفتاری کا باعث ہوتی ہے اور بے قراری اور بے آرامی لاتی ہے۔ خُلّت سراسر اُنس و اُلفت و آرام ہے اور محبت وہ ہے جس نے گرفتاری کا عالم پیدا کیا ہے اور خُلّت کے دوسرے افراد میں سے الگ ہوئی ہے گویا کہ دوسری جنس بن گئی اور وہ ہنر جو محبت نے اس امتیاز میں خُلّت کے دوسرے افراد کے علاوہ پیدا کیا ہے وہ درد اور غم ہے اور نفس خُلّت سب عیش اور سرور ہی سرور اور خوشی ہی خوشی اور انس در انس ہے۔

یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو دنیا میں بھی جو کہ محنت کا گھر ہے عمل کا اجر عطا فرمایا ہے اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا۔ وَاٰتَیْنَاہُ اَجْرَہٗ فِی الدُّنْیَا وَاِنَّہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ (اور ہم نے اس کو دنیا میں بھی اس کا اجر دیا اور یقیناً وہ آخرت میں نیک لوگوں سے ہے) پس جبکہ محبت درد و حزن کا منشا ٹھہری تو جس فرد میں بھی محبت غالب ہوگی اس میں درد و حزن زیادہ ہوگا یہی وجہ ہے کہ کہا ہے کہ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دائم الفکر اور ہمیشہ حزن میں رہتے" اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ — جتنی مجھے تکلیف دی گئی ہے اتنی کسی نبی کو تکلیف نہیں دی گئی۔

کیونکہ افراد انسانی میں سے کامل فرد محبت کے حصول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے اور اگرچہ آپ محبوب تھے (صلے اللہ علیہ وسلم) لیکن جب محبت کی نسبت درمیان میں آگئی تو محبوب بھی محب کی طرح شیدا و گرفتار ہوا۔ حدیث قدسی ہے اَلَا طَالَ شَوْقُ الْاَبْرَارِ اِلٰی لِقَائِیْ وَاَنَا اِلَیْھِمْ لَاَشَدُّ شَوْقًا (کہ میری ملاقات کے لئے نیک لوگوں کا شوق بڑا لمبا ہو گیا اور میں ان کی طرف زیادہ شوق رکھتا ہوں) اس جگہ ایک مشہور سوال ہے۔

سوال:۔ جبکہ شوق تو مفقود میں ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مفقود نہیں ہے تو شوق کیا ہے اور اشد شوق کیا ہوتا ہے؟

جواب:۔ میں کہتا ہوں کہ کمال محبت کی آرزو ہوتی ہے کہ دوئی ختم ہو جائے اور محب اور محبوب کا

اتحاد ہو جائے اور جب یہ بات مفقود ہے تو شوق موجود ہے اور چونکہ بالاصل اتحاد کی تمنا محبوب میں ثابت ہے کیونکہ محبت شاذ صرف وصلِ محبوب پر ہی قناعت کرے تو لازماً زیادہ شوق محبوب کی جانب ہی ہوگا اور ہمیشہ غمگین رہنا حبیب کی صفت ہوگی۔

سوال :- اگر کہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمام امور پر قادر ہے وہ جو چاہے اس کو میسر ہے پس اللہ تعالیٰ کے حق میں کوئی چیز مفقود نہ ہوگی تاکہ شوق متحقق ہو۔ **جواب** :- کسی چیز کی تمنا اور چیز ہے اور اس چیز کا ارادہ کرنا اور چیز ہے اللہ تعالیٰ کی مراد اس کے ارادہ سے پیچھے نہیں رہتی اور یہ ہو سکتا ہے کہ تمنا ہو اور اس کے حصول کا ارادہ نہ ہو اور اس کے وجود کو نہ چاہے ؎ در عشق چنیں بو العجبیہا باشد

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عشق میں صرف مطلب کا ورد ہوتا ہے اور وصل ملحوظ نہیں ہوتا بلکہ وصل کو نہیں چاہتا اور محبوب کے اتصال سے گریز کرتا ہے اور یہ عشق کی دیوانگیوں میں سے ہے بلکہ عشق کے ہنروں میں سے ہے "جس نے نہ چکھا نہ جانا"۔

اب ہم اصل بات پر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خُلت بہت بلند مقام ہے اور کثیر البرکت ہے۔ عالم مجاز میں جس کسی کو بھی کسی سے کوئی اُنس والفت وسکون وآرام ہے وہ سب خُلت کے مقام کا ظلال ہیں۔ مثلاً وہ محبت جو باپ کو بیٹے سے ہے اور بھائی کو بھائی سے اور عورت کو شوہر سے یہ سب اسی خُلت کی جنس سے ہے اور اسی طرح ہر حظ اور لذت اور آرام جو کہ صورِ حسنہ اور مظاہر جمیلہ سے ثابت ہے وہ مقام خُلت سے ہے۔ محبت دوسری چیز ہے جو کہ ایک اور عالم رکھتی ہے اور اگر خُلت وانس والفت درمیان میں نہ ہو تو کوئی مرکب وجود میں نہ آئے اور اس کا کوئی جزو دوسرے جزو کے ساتھ خاص طور پر جبکہ ان میں تضاد کی نسبت ہو پیوستہ نہ ہوتا بلکہ کوئی وجود بھی کسی ماہیت کے ساتھ نہ ملتا بلکہ کوئی عالم بھی اللہ تعالیٰ کی ایجاد کے تحت داخل نہ ہوتا۔ کیونکہ یہ محبت ہی ہے جس نے ایجاد کے سلسلہ کو حرکت دی ہے اور وجود اشیاء کی باعث ہوئی ہے فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ (پس میں نے پسند کیا کہ میں پہچانا جاؤں سو میں نے مخلوق کو پیدا کیا) حدیث قدسی ہے اور حُبّ خُلت کا فرد کامل ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ پس اگر خُلت نہ ہوتی تو کوئی چیز بھی موجود نہ ہوتی اور کوئی چیز بھی کسی کے ساتھ جمع نہ ہوتی اور الفت نہ پکڑتی۔ عالم کا وجود اور اس کا نظام دونوں خُلت سے وابستہ ہیں اگر خُلت نہ ہوتی تو وجود کی طرح نظام بھی مفقود ہوتا پس خُلت ایجاد کا اصل ہوئی۔ مُوجد کی جانب بھی اور موجود کی جانب بھی کیونکہ وہ خُلت ہی ہے جس نے ممکن کو وجود قبول کرنے کے لئے مانوس کیا ہے اور ایجاد کی قید میں لایا ہے بلکہ عدم میں بھی اپنے خلوت خانہ میں خُلت کی دولت ہی سے آرام پایا ہے اور اپنی نیستی کے ساتھ موافقت کی ہے بلکہ اپنے نقیض (وجود) سے بھی الفت وانس

کرکے اس کے کمالات کا آئینہ ہُوا ہے اور ممکنات کے وجود کا ذریعہ بنا ہے۔ پس خُلت تمام اشیاء سے زیادہ مُبارک، مُوثی اور اس کی برکات موجود اور معدوم کو شامل ہیں۔ جب تو نے خُلت کے باریک نکات معلوم کر لئے اور اس کے عموم برکات کو معلوم کر لیا اور یہ بھی جان لیا کہ مقام خُلت اصل میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کی ولایت ولایتِ ابراہیمی ہے۔

پس جان لو کہ اب اس فقیر پر ان معارف کی برکات کے وسیلہ سے ظاہر ہُوا ہے کہ تعین اوّل اللہ تعالےٰ کی ذات کا حضرت وجود سے تعین ہے اور وہ تعین اوّل وجودی حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ علیٰ جمیع الانبیاء الصلوٰۃ والسلام کا رب ہے لہٰذا وہی سب کے امام ہوتے اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (میں تجھے سب لوگوں کے لئے امام بنانے والا ہوں) اور سید البشر ان کی ملت کی متابعت کے مامور ہوئے۔ اِتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا (آپ ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کریں) اور ان کے بعد جو پیغمبر بھی مبعوث ہُوا اسے ابراہیم علیہ السلام کی متابعت کا حکم دیا گیا۔ اور تمام تعینات اس تعین وجودی کے ضمن میں مندرج ہیں اگر تعین کُلی جملی ہے تو وہ بھی اس کے ضمن میں ہے اور اگر تفصیل ہے تو وہ بھی اس میں مندرج ہے۔

اس وجہ سے یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "باپ" کے لفظ سے یاد کرتے تھے اور باقی انبیا علیہم السلام کو "بھائی" کے لفظ سے اور اگر تمام انبیاء کو "بیٹے" کے لفظ سے یاد کرتے تو گنجائش رکھتا تھا کیونکہ ان بزرگواروں کے تعینات اس کے تعین کے ضمن میں کہ جس کو تعین علمی جملی کہا ہے مندرج ہیں علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات، اور وہ جو نماز ماثورہ میں آیا ہے کَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ (جیسا کہ تُو نے ابراہیم پر رحمت کی)، ہو سکتا ہے کہ یہ اس لئے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تک وصول بغیر وسیلہ تعین اوّل وجودی اور بغیر وسیلہ ولایت ابراہیمی کے تمام کمالات کے میسر نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ کے لئے سب سے پہلا خیمہ وہی ہے جس نے غیب الغیب کی آئینہ داری کی ہے اور باطن سے باطن کو بھی ظہور میں لایا ہے پس کسی کو بھی اس کے واسطے سے چارہ نہیں ہے خاتم الانبیاء کو ان کی متابعت کا حکم فرمایا ہے تاکہ آپ کی متابعت سے ولایتِ ابراہیمی تک پہنچیں اور اس جگہ سے اللہ تعالےٰ کی ذات تک ناز سے خراماں خراماں چلے جائیں علیہ وعلےٰ جمیع الانبیاء الصّلوات والتحیات۔

سوال: اس بیان سے لازم آیا کہ حضرت ابراہیم حضرت خاتم الرسل سے افضل ہوں علیٰ جمیع الانبیاء الصلوٰۃ والسلام حالانکہ حضرت خاتم الرسل صلے اللہ علیہ وسلم کی افضلیت پر اجماع ہے اور یہ بھی لازم آیا

کہ تجلی ذات بالاصل حضرت خلیل صلے اللہ علیہ وسلم کا حصہ ہو اور دوسروں کے لئے بالتبعیت ہو حالانکہ اکابر صوفیاء کا مقررہ مقولہ ہے کہ تجلی ذات اصل میں حضرت خاتم الرسل صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسروں کے لئے آپ کی تبعیت میں ہے۔

جواب۔ ذات تک وصول بھی تجلی ذات کی طرح دو قسم پر ہے ایک باعتبار نظر ہے اور دوسرا باعتبار قدم یعنی یا نظر داخل ہے یا ناظر بنفس خود داخل ہے اور جو قسم وصول نظری ہے وہ اصل میں حضرت خلیل علیہ الصلوات والسلام کا حصہ ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کی ذات سے اقرب تعینات تعین اوّل ہے جو کہ حضرت ابراہیم کا رب ہے

جیسا کہ اوپر گذر چکا اور جب تک اس تعین تک نہ پہنچے اس سے آگے نظر نفوذ نہیں کرتی اور وہ قسم جو باعتبار قدم ہے وہ اصل میں حضرت حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات سے مخصوص ہے جو کہ رب العٰلمین کے محبوب ہیں۔ محبوبوں کو اس مقام تک لے جاتے ہیں کہ خلیل اس جگہ سے عاجز ہیں مگر یہ کہ ان کی تبعیت میں جاتیں۔ کوئی خلیل ہی چاہیئے کہ اس کی نظر رئیس محبوبان کے وصول کے مقام تک پہنچ سکے صلے اللہ علیہ وسلم اور راہ میں کوتاہی نہ کرے۔

مختصر یہ کہ تجلی ذات ایک وجہ سے تو بالاصل حضرت خلیل سے مخصوص ہے اور دوسرے ان کے تابع ہیں علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور دوسری وجہ سے وہ تجلی اصل میں حضرت خاتم الرسل صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اور دوسرے ان کے تابع ہیں اور چونکہ دوسری وجہ زیادہ طاقتور اور مراتب قرب میں زیادہ دخل پانے والی ہے تو لازماً تجلی ذات کو حضرت خاتم الرسل سے زیادہ مناسبت حاصل ہوئی اور ان کے ساتھ خصوصیت پیدا کی اور آپ حضرت خلیل اور باقی دوسرے تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل ٹھہرے پس انبیاء میں سے کلی فضیلت ان دو بزرگواروں کو ملی اگرچہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے افضل ہے علیہما وعلیہم الصلوات والتسلیمات اور موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ محبّین کے رئیس ہیں جب کہ ہمارے پیغمبر محبوبین کے رئیس ہیں علیہ وعلیٰ اتباعہ الصلوٰۃ والسلام تو لازماً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بحکم اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے اس کی محبت ہو) اللہ تعالےٰ کی ذات کے ساتھ ایک طرح کی معیت ہے جو دوسروں کو نہیں ہے۔

اور یہ بھی ہے کہ اس بارگاہ میں ان کو ایسا مرتبہ ملا ہے جو کہ ان کی محبت کی وجہ سے ہے اور دوسرے کو اس جگہ کوئی دخل نہیں ہے لیکن یہ فضیلت جزوی ہے جس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ کلی کے برابر ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ایک بہت بڑی جماعت اس مقام میں ان کے تابع ہے اور

اس کے باوجود کلی فضیلت وہی ہے جو حضرت خلیل وحبیب کے حق میں آئی ہے علیہما الصلوٰۃ والسلام۔ اور اگرچہ ہر ایک ایک طرح سے دوسرے کا تابع ہے۔ وصول نظری میں حضرت خلیل اصل ہیں اور حضرت حبیب ان کے تابع ہیں علیہما الصلوات والتحیات والبرکات اور وصول قدمی میں حضرت حبیب اصل ہیں اور حضرت خلیل ان کے تابع ہیں علیہما الصلوٰۃ والسلام اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخصوص فضائل وکمالات کہ جتنے کہ وہ اس فقیر پر ظاہر ہوگئے ہیں دل میں ہے کہ ایک علیٰحدہ کاغذ میں تحریر کروں ان شاء اللہ تعالےٰ

جاننا چاہیئے کہ وہ انبیاء جو کسی نبی کے وسیلہ سے اللہ تعالےٰ کی ذات تک پہنچتے ہیں تو وہ نبی اللہ تعالےٰ کی ذات اور ان انبیاء کے درمیان حائل نہیں ہے اور ان انبیاء کو بالاصل اللہ تعالیٰ کی ذات سے حصہ ملتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ ان کا اپنے درجہ تک پہنچنا اس نبی کی تبعیت سے وابستہ ہے برخلاف کسی نبی کی امت کے جو کہ نبی کے وسیلہ سے پہنچے تو وہ پیغمبر درمیان میں حائل ہے مگر اس صورت میں کہ افراد امت میں سے کسی فرد کو بالاصل اللہ تعالےٰ کی ذات سے حصہ ملے تو اس وقت وہ نبی درمیان میں حائل نہیں ہوتا اور اس کی تابعداری موجود ہوتی ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ایسے بندے تھوڑے ہیں بلکہ بہت ہی تھوڑے ہیں۔

سوال:۔ اس صورت میں اس امتی فرد اور دوسرے انبیاء میں کیا فرق ہوگا کہ دونوں میں حیلولت مفقود ہے اور تبعیت موجود۔

جواب:۔ فرد امت میں تبعیت بطور تشریع ہے کہ جب تک نبی کی متابعت نہ کرے گا نہ پہنچے گا اور انبیاء میں تبعیت اس اعتبار سے ہے کہ نبی متبوع کا وصول پہلے ہے اور بالذات ہے اور دوسروں کا وصول ثانوی حیثیت میں ہے اور بالعرض ہے۔ کیونکہ دعوت کا مطلوب تو محبوب ہے اور دوسروں کو اس کی طفیل سے بلاتے ہیں اور اس کی تبعیت میں طلب کرتے ہیں لیکن وہ سب ایک ہی دسترخوان پر بیٹھتے ہیں اور ایک ہی مجلس میں اپنے درجات کے مطابق لذتوں اور نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور امتوں کی کیفیت یہ ہے کہ وہ ان انبیاء کے حاشیہ بردار ہیں اور ان کا پس خوردہ (بچا کھچا) کھانے والے ہیں شاذ ان کے افراد میں سے کوئی فرد اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے مخصوص ہوجائے اور انکا یکی مجلس میں ہم نشین ہو جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے

باکریماں کارہا دشوار نیست[1]

---

[1] شرفاء کے لئے کوئی کام مشکل نہیں

اس کے باوجود امت امت ہے اور پیغمبر پیغمبر۔ امت خواہ کتنی ہی سربلند ہو جائے اور خواہ کتنی ہی بلندی پیدا کرلے بہت بڑی دولت ہے اگر اس کا سر پیغمبر کے پاؤں تک پہنچ جائے۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ۝ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ

اور یقیناً ہمارا کلمہ پہلے اپنے پیغمبر بندوں کے لئے گذر چکا ہے کہ وہی مدد دیئے جائیں گے اور یقیناً ہمارا لشکر وہی غالب آنے والا ہے۔

سوال:۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت کی متابعت کہ ہمارے پیغمبر اس کے مامور ہوتے ہیں کیا وجہ ہے؟ اور باوجود آپ کی شریعت مستقل ہونے کے ان کی تبعیت کا حکم کیا ہے علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

جواب:۔ شریعت کا مستقل ہونا تبعیت سے جنگ نہیں رکھتا۔ جائز ہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت کو بالاصل اخذ کیا ہو لیکن کسی امر کے حصول کے ذریعہ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے مامور ہوئے ہوں کیونکہ وہ امر متبوع کے خصائص میں سے ہے جس کی متابعت کا حکم دیا گیا ہے اور اس امر کا حصول اس متابعت کے حصول سے وابستہ ہے مثلاً ایک شخص فرائض میں سے کسی فرض کو ادا کرتا ہے اور اس کے ساتھ متابعت کی نیت بھی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس فرض کو ہمارے نبی نے ادا کیا ہے ہم بھی ادا کرتے ہیں تو اس تقدیر پر امید ہے کہ اس کو ادائے فرض کے ثواب کے علاوہ متابعت کا ثواب علیحدہ ملے اور چونکہ اس نے نبی سے مناسبت پیدا کی ہے۔ لہٰذا اس کی برکات سے استفادہ بھی کریگا۔

اور اس بات کی تفتیش کہ متابعت ملت سے مراد تمام ملت کی متابعت ہے یا بعض کی؟ اگر تمام کی ہے تو باوجود بعض احکام کے منسوخ ہو جانے کے کل کی متابعت کس طرح ہو سکے گی اور اگر بعض مراد ہے تو بھی بے خدشے نہیں ہے۔ اس کا حل علمائے تفسیر نے کیا ہے اس جگہ رجوع کرنا چاہئے کہ یہ باب علمائے ظواہر کا ہے علوم صوفیہ سے بہت کم مناسبت رکھتا ہے۔

سبحان اللہ ایسے معارف مجھ سے ظاہر ہوتے ہیں کہ ان کی غرابت سے نزدیک ہے کہ ابنائے جنس بھی مجھ سے نفرت کریں اور محرم بھی برخلاف اٹھ کھڑے ہوں اور مجرم ہو جائیں۔ میرا ان معارف کے حصول میں کیا اختیار ہے اور ان کے اظہار میں کیا کاروبار ہے۔ انہوں نے خود ہی بتایا ہے کہ تعین اول تعین وجودی ہے اور وہ حضرت خلیل کا رب ہے اور ان کے تعین کا مبدأ ہے علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اس ہزار سال میں کیا کسی نے جانا ہے یا سنا ہے کہ تعین اول تعین وجودی ہوتا ہے اور وہ حضرت خلیل الرحمٰن کا رب ہے علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ متقدمین میں یہ عبارت متعارف نہ تھی اور نہ تعین و تنزل کی گنجائش تھی پچھلے لوگوں میں اس قسم کی باتیں متعارف ہوئیں تو تعین اول تعین علمی کلی قرار پایا اور وہ حضرت خاتم الرسل کا رب قرار

پایا۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

آج اگر کسی سے اس کے خلاف ظاہر ہو تو خیال کرنا چاہیئے کہ اس کے سر پر کیا گذرے گی اور وہ کس طرح مطعون و ملام ہوگا۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ خلیل کو حبیب پر فضیلت دیتا ہے اور حبیب کو خلیل کا جزو بناتا ہے علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ کیونکہ تمام تعینات کو تعین اوّل میں مندرج جانتا ہے اگرچہ اوپر اس وہم کا ازالہ کیا ہے اور جواب شافی دیا ہے لیکن معلوم نہیں کہ اس پر اکتفا کریں اور اس شفا سے تشفی حاصل کیا جائے کہ جہالت اور عناد اور تعصب کا کوئی علاج نہیں ہے مگر یہ کہ مقلب القلوب اپنی قدرت کاملہ سے ان کے دلوں کو پھیر دے اور حق سننے اور اس کو قبول کرنے کے قابل بنا دے۔

حضرت خلیل کی بزرگی اور ان کی بلندی مرتبہ کو حکم اِتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ سے جو کہ اپنے حبیب کو دیا ہے دریافت کرنا چاہیئے علیہم الصلوٰۃ والسلام کہ متبوع کو تابع سے کیا نسبت ہے لیکن وہ محبوبیت جو خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حصہ میں آئی ہے وہ قرب کے تمام مراتب و فضائل پر غالب ہے اور سب سے آگے ہے قرب کے ہزار مراتب بھی محبوبیت کی ایک نسبت سے برابر نہیں ہو سکتے۔ محب اپنے محبوب کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہے دوسروں کی کیا طاقت ہے کہ اس کے ساتھ مشارکت طلب کریں۔

سوال:- تم نے اپنے مکاتیب میں لکھا ہے کہ حضرت خلیل کا رب بھی شان العلم ہے جیسا کہ وہ حضرت حبیب کا رب ہے علیہما الصلوات والتسلیمات۔ بس اس قدر فرق ہے کہ اس جگہ تفصیل ہے اور اس جگہ اجمال۔

جواب:- یہ معرفت ولایت خلت کی حقیقت کے وصول سے پہلے کی ہے اور جب اس ولایت کی حقیقت سے متصف ہوا تو معاملہ جیسا کہ تھا ظاہر ہو گیا گویا کہ وہ معرفت اس حقیقت کے ظل سے متعلق تھی۔ اور اللہ تعالیٰ ہی درستی کا الہام کرنے والا ہے۔

ان معارف سے واضح ہوا کہ وجود عین ذات نہیں ہے بلکہ وہ خدا تعالیٰ کے تعینات میں سے سب سے پہلا تعین ہے اور جس نے وجود کو عین ذات کہا ہے تو اس نے تعین کو لا تعین سمجھا ہے اور غیر ذات کو ذات جانا ہے اور غیریت میں مناقشہ فائدہ نہیں رکھتا کیونکہ وہ تنگی عبارت سے ہے۔

سوال:- یہ تعین اوّل وجودی جس کو تم نے پایا ہے اس تعین علمی جملی سے کہ جس کو دوسروں نے پایا ہے کیا نسبت ہے اور ان دو تعین کے درمیان کوئی اور تعین بھی ہے یا نہیں؟

جواب:- تعین وجودی، تعین علمی سے بلند ہے اور تعین علمی سے اوپر کہ جس کو مرتبہ ذات و لا تعین کہتے ہیں یہی تعین وجودی ہے جس کو عین حضرت ذات پایا ہے اور وجود کو عین ذات سمجھا ہے اور ان دو تعین کے درمیان شان الحیوٰۃ ہے جو تمام شیونات سے پہلے ہے اور اس کے بعد شان العلم ہے اجمالاً و

تفصیلاً اور اس کے تابع ہے لیکن اس درمیانے تعین کا مظہر نظر میں نہیں آتا اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے سب سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے اور استغنائے ذاتی اس میں بہت جلوہ گر ہے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے فیوض و برکات خصوصاً روحانیوں پر انڈیلے جاتے ہیں اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی حقیقتِ حال کو بہتر جانتے۔ اے اللہ تو پاک ہے ہمیں تیری بتائی ہوئی چیزوں کے بغیر کچھ علم نہیں ہے یقیناً تو ہی جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

تنبیہ:- وہ جو اوپر گذرا ہے کہ وصال نظری اصل میں حضرت خلیل کا حصہ ہے اور وصول قدمی اصل میں حضرت حبیب کا حصہ ہے علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام، یہ اس معنی سے نہیں ہے کہ اس جگہ شہود و مشاہدہ ہے یا قدم کو اس جگہ گنجائش ہے اس جگہ بال کی بھی گنجائش نہیں ہے قدم کا کیا معنی بلکہ اس جگہ مجہول الکیفیت وصول ہے اگر صورت مثالیہ میں نظر میں منقش ہو تو وصل نظری ہے اور اگر قدم مرتسم ہو تو اسے وصول قدمی کہتے ہیں ورنہ قدم و نظر دونوں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حیران و پریشان ہیں۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب نمبر ۹

قاضی اسمٰعیل فرید آبادی کی طرف صادر فرمایا

(شیخ روزبہان بقلی کے سخن کی شرح میں اور بعض دقائق توحید وجودی کے بیان میں)

شیخ روزبہان بقلی قدس سرہٗ نے متصوفین کے غلطات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے "دوسری غلطی وہ ہے جو کہتے ہیں کہ "ہمہ اوست" (سب کچھ وہی ہے) اور ان تمام جزئیات متفرقہ حادثہ کے باوجود ایک ہی ذات مراد رکھتے ہیں اور اشارے سے ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ "ہم خود بھی وہی ہیں" پس ان کافروں کے لاکھوں خدا ہیں اور خداوند تعالیٰ محدثات کے تفرقہ اور جمع سے پاک ہے وہ ایک ہے کہ جزو کو اس میں کوئی راہ نہیں ہے وہ حلول قبول نہیں کرتا اور منقوص نہیں ہوتا وہ اپنے اس قول کی وجہ سے کافر ہیں نہ اپنے آپ کو جانتے ہیں نہ خدا کو کہ اگر کوئی ان میں سے خدا ہوتا تو فنا کیوں ہوتا ایک قوم کی غلطی روح میں ہے اور ان کے جسم میں اللہ تعالیٰ انہیں برباد کرے"۔

پوشیدہ نہ رہے کہ عبارت "ہمہ اوست" اگرچہ قدمائے صوفیاء قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم میں متعارف نہیں رہی ہے لیکن کلمات أَنَا الْحَقُّ اور سُبْحَانِي اور لَيْسَ فِي جُبَّتِي سِوَى الله اور ان جیسے اور کلمات بہت تھے کہ ان عبارات کا مآل اور اس کا حاصل ایک ہے۔ مصرع: آب[1] چوں از سر گذشتہ است چہ یک نیزہ چہ صد

[1] پانی جب سر سے گذر گیا تو کیا ایک نیزہ اور کیا سو نیزہ ۱۲

مثل موزوں مشہور ہے اور متاخرین صوفیہ میں یہ عبارت عام رائج ہے اور بے تکلف ہمہ اوست کہتے ہیں
اور اس قول پر اصرار کرتے ہیں۔ ان میں سے تھوڑے لوگ ایسے ہیں جو اس عبارت اور اس جیسی دیگر عبارتوں
سے تردد رکھتے ہیں بلکہ انکار کی صورت میں اُن کا اظہار کرتے ہیں اور وہ جو یہ فقیر ان کے اطلاقات ہمہ اوست
سے سمجھا ہے یہ ہے کہ "یہ تمام جزئیات متفرق حادث ایک ذات پاک کا ظہور ہیں اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر
زید کی صورت جو کہ مختلف آئینوں میں منعکس ہو اور اس جگہ ظہور پیدا کرے تو کہیں گے کہ "سب وہی ہے"۔
یعنی یہ سب صورتیں جو مختلف آئینوں میں ظاہر ہوئی ہیں یہ ایک ذات زید کا ظہور ہیں اس جگہ کونسی جزئیت
اور اتحاد ہے اور کونسا حلول اور تلون۔ ان تمام صور کے باوجود زید کی ذات اپنی خالص اصلی حالت پر ہے اور
ان تمام صورتوں نے نہ اس میں کوئی چیز زیادہ کی ہے اور نہ کم کی ہے جس جگہ زید کی ذات ہے اس جگہ ان
کا نام ونشان نہیں ہے تاکہ اس کے ساتھ کوئی نسبت جزئیت واتحاد اور حلول وسریان کی نسبتوں میں سے
پیدا کریں اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ (جیسا تھا ویسا ہی اب بھی ہے) کا راز اس جگہ تلاش کرنا چاہئیے کیونکہ جس جگہ
میں اللہ تعالیٰ ہے عالم کی ظہور سے پہلے اس جگہ کوئی گنجائش نہ تھی اور ظہور کے بعد بھی اس جگہ کوئی گنجائش
نہیں ہے تو لازمی طور پر وہ اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ (جیسا تھا ویسا ہی اب بھی ہے) ہوگا۔

عجیب معاملہ ہے کہ متقدمین صوفیاء میں سے بہت سے اکابرین اس توحید آمیز عبارت کا معنی حلول
اور اتحاد سمجھتے ہیں اور ان عبارات کے قائلین کو کافر اور گمراہ کہتے ہیں اور ان میں سے بعض ان عبارتوں کی
ایسی توجیہات کرتے ہیں جو کہ قائلین کے مذاق سے کوئی نسبت اور مناسبت نہیں رکھتیں۔

صاحب عوارف فرماتے ہیں کہ منصور کا قول اَنَا الْحَقُّ (میں حق ہوں) اور بایزید بسطامی کا قول،
سُبْحَانِیْ (میں پاک ہوں) حکایت کے طور پر تھے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اگر بطریق حکایت
نہ ہوں بلکہ حلول واتحاد کا شائبہ درمیان میں ہو تو ہم ان اقوال کے قائلین کا رد کریں گے جیسا کہ ہم نصاریٰ
کا رد کرتے ہیں جو کہ حلول واتحاد کے قائل ہیں یہ اور سابقہ تحقیق سے واضح ہوا کہ ان شطح نما عبارات میں
حلول واتحاد کچھ بھی نہیں ہے اور اگر یہ ان معانی پر محمول بھی ہیں تو باعتبار ظہور ہیں نہ کہ باعتبار وجود جیسا کہ ان
لوگوں نے سمجھا ہے اور ان کو حلول واتحاد کی طرف لے گئے ہیں۔

شاید کہ یہ مسئلہ توحید متقدمین صوفیاء میں اچھی طرح منقح ہو کر تحریر نہ ہوا تھا کہ جو بھی ان پر سے مغلوب الحال
ہو جاتا تو توحید میں کوئی اتحاد نما کلمہ اس سے ظاہر ہو جاتا اور غلبۂ سُکر کی وجہ سے اس کے راز کو نہ پاتا اور
ان عبارات کے ظاہر کو حلول واتحاد کے شائبہ سے نہ پھیرتا۔ پھر جب شیخ بزرگوار محی الدین ابن العربی قدس سرہ
تک نوبت پہنچی تو انہوں نے کمال معرفت سے اس دقیق مسئلہ کو شرح وبسط کیا اس میں باب اور فصلیں

قائم کیں اور صرف و نحو کی طرح اس کی مدوین کی اور اس کے باوجود اس جماعت میں سے کچھ لوگوں نے اس کی مُراد کو نہ سمجھا اور اس کی غلطیاں پکڑنے لگے اور اس پر طعنہ اور ملامت کی بوچھاڑ کرنے لگے۔

اور اس مسئلہ میں اکثر تحقیقات میں شیخ حق پر ہے اور اس پر طعنہ کرنے والے صواب سے دُور ہیں شیخ کے علم کی بزرگی اور زیادتی کو اس مسئلہ کی تحقیق سے معلوم کرنا چاہیئے نہ کہ اس پر ردّ اور طعنہ زنی کرنا چاہیئے یہ مسئلہ جتنا بھی چلتا جاتا ہے پچھلے لوگوں کے افکار کے ملنے سے واضح اور صاف تر ہوتا جاتا ہے اور حلول و اتحاد کے شبہات سے دُور تر ہوتا جاتا ہے بلکہ نحو جو کہ اب پچھلے لوگوں کے افکار کے ملنے سے واضح اور منقح ہو چکا ہے ہرگز وہ سیبویہ اور اخفش کے زمانہ میں اس طرح واضح اور منقح نہیں تھا کیونکہ کسی پیشہ کی تکمیل افکار کے ملنے سے ہے۔ امام اعظم (ابو حنیفہ) اور امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما چھ ماہ تک آپس میں خلق قرآن کے مسئلہ کے متعلق جھگڑتے رہے اور ردّ و جدل کرتے رہے اور چھ ماہ کے بعد یہ طے ہوا کہ جو آدمی قرآن کو مخلوق کہے وہ کافر ہے۔ یہ اتنا لمبا جھگڑا اس وجہ سے ہوا کہ یہ مسئلہ اس وقت ابھی صاف نہیں ہوا تھا اور اب جبکہ افکار کے ملنے سے صاف ہو چکا ہے تو میں کہتا ہوں کہ محل نزاع اگر حروف و کلمات ہیں جو کہ کلام نفسی پر دلالت کرنے والے ہیں تو کوئی شک نہیں کہ وہ حادث اور مخلوق ہیں اور اگر معانی مراد ہوں تو وہ قدیم اور غیر مخلوق ہیں اور یہ تنقیح تلاحق افکار کی برکت سے ہے۔

اب ہم اصل بات پر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان عبارات کا ایک دوسرا مطلب بھی ہے جو کہ حلول و اتحاد سے دور ہے یعنی "یہ سب نہیں ہیں صرف وہی موجود ہے"۔ یہ مطلب نہیں کہ یہ بھی ہیں اور اس کے ساتھ متحد ہیں یہ بات تو کوئی بے وقوف بھی نہیں کہے گا ان بزرگوں سے اس کا تصور کیسے ہو سکتا ہے اور جب غلبہ محبت میں محبوب کے ماسوا ان بزرگواروں کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور اس کے سوا ان کے شہود میں کوئی چیز نہیں رہتی تو وہ کہتے ہیں کہ "سب کچھ وہی ہے" یعنی یہ سب جو ثابت اور موجود نظر آتے ہیں یہ سب وہم اور خیال میں ہیں اور موجود صرف اللہ تعالیٰ ہے اس صورت میں بھی نہ جزئیت کا شائبہ ہے نہ اتحاد کا اور نہ حلول کا محل ہے نہ قوت کا۔

اس کے باوجود یہ فقیر ایسی عبارتوں کو پسند نہیں کرتا اگرچہ یہ عبارتیں ان معانی سے مبرا ہیں کیونکہ وہ خداوندی تقدیس و تنزیہ کے مرتبہ کے لائق نہیں ہیں۔ ان کی کیا حیثیت ہے کہ اس کے مظاہر ہوں ؎

درکدام آئینہ در آید او (وہ کونسے آئینہ میں سما سکتا ہے)

ان کو ایسی ہمت کہاں ہے کہ وہ باعتبار ظہور بھی اللہ تعالیٰ پر محمول ہو سکیں اگر وہ مظاہر ہیں تو بھی اللہ تعالیٰ کے کمالات کے ظلال میں سے کسی ظل کا مظہر ہیں اور وہ ظل کہ وہ اس کے مظہر ہیں خدا تعالیٰ ہی جانتا

ہے کہ اس کو کتنے ہزار ظلال اللہ تعالیٰ کی ذات کے درمیان میں ہیں اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُّوْرٍ وَّظُلْمَۃٍ (اللہ تعالیٰ کے لئے نور اور ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں) آپ نے سُنا ہی ہوگا پس بے تحاشا اس کے کمال کے ظلال میں سے کسی ظل کے مظہر کو اللہ تعالیٰ پر محمول کرنا اور "اوست" (وہی ہے) کہنا بے ادبی اور کمال جرأت ہے لیکن وہ غلبۂ سُکر حال میں اتنے مذموم نہیں ہیں اور اس طرح توجیہ ثانی پر اپنے مشہود کو عین خدا تعالیٰ سمجھنا اور اس کے اعتبار سے محمول کرنا سوء ادبی ہے بلکہ خلاف واقع ہے کہ وہ مشہود بھی اللہ تعالیٰ کے کمالات کے ظلال میں سے ایک ظل ہے اور اللہ تعالیٰ وراء الوراء ہے پھر وراء الوراء ہے۔

اور یہ بھی ہے کہ جو کچھ مشہود ہے وہ نفی کے قابل ہے پس وہ اللہ تعالیٰ نہ ہوگا۔ خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جو کچھ دیکھا جائے اور سُنا جائے اور جانا جائے وہ سب اللہ تعالیٰ کے سوا ہے۔ کلمۂ لا (نہیں) کی حقیقت سے اس کی نفی کرنا چاہیئے اور جو کچھ اس مسئلہ میں اس حقیر کے نزدیک محقق اور اللہ تعالیٰ کی شان تقدیس و تنزیہ کے مناسب ہے یہ عبارت اس طرح ہے "ہمہ از وست" (سب کچھ اسی سے ہے) نہ اس معنی کے لحاظ سے کہ علماء ظاہر اس پر اقتصار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صدور و خلق سب اسی سے ہے یہ معنی بھی صحیح ہے۔

لیکن اس کے باوجود اس جگہ ایک دُوسرا تعلق بھی ہے جس کی طرف علماء کی راہنمائی نہیں ہوئی ہے اور صوفیاء اس کی دریافت سے ممتاز ہوئے ہیں اور وہ اصالت و ظلیت کا تعلق ہے یعنی اگر وجود ممکن ہے تو اسی وجود واجب سے پیدا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کے وجود کا پرتو ہے اور اسی طرح اگر حیوٰۃ ہے تو اسی کی صفت حیوٰۃ سے پیدا ہوئی ہے اور اسی حیوٰۃ مقدسہ کا پرتو ہے اور اسی پر علم اور قدرت اور ارادہ وغیرہ کو قیاس کر لیں۔

پس صوفیاء کے طور پر عالم صادر بھی اسی سے ہوا ہے اور اسی کے کمالات کا ظل بھی ہے اور اسی کے پاک کمالات سے پیدا ہوا ہے مثلاً وہ وجود جو ممکن کو دیا ہے وہ ایسا امر نہیں ہے جو خود ممتاز ہو اور اس کو استقلال حاصل ہو بلکہ وہ وجود اللہ تعالیٰ کے وجود کے ظل کا پرتو ہے اور اسی طرح حیوٰۃ اور علم وغیرہ جو بھی جو کہ ممکن کو بخشی ہیں، وہ ایسے امور نہیں ہیں کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے مستقل ثبوت پیدا کیا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ سے صدور کے باوجود یہ اللہ تعالیٰ کے کمالات کے ظلال ہیں اور ان کمالات کے صُوَر و امثال ہیں۔

یہی ظلیت اور اصلیت کا تعلق ہے جس کی رہنمائی صوفیہ کو ہوئی ہے اور اس نے صوفیاء کے معاملہ کو اعلیٰ علیین تک پہنچا دیا ہے اور فناء و بقاء تک پہنچا کر ولایت خاصہ سے متصف کیا ہے اور چونکہ علماء ظواہر کو یہ دید میسر نہیں ہوئی ہے اور فناء و بقاء سے حصّہ نہیں ملا ہے لہٰذا وہ ولایت خاصہ سے متصف نہیں ہوئے اور صوفیاء

نے چونکہ اپنے کمالات کو اللہ تعالےٰ کے کمالات کا ظلال پایا ہے اور وجود اور وجود کے تمام توابع کو اس کے کمالات کا عکس جانا ہے تو لازماً اپنے آپ کو انہوں نے اس کے کمالات کے انتظار کی حیثیت سے زیادہ نہیں دیکھا ہے اور سوائے ان کمالات کے آئینہ ہونے کے اپنے آپ کو کچھ نہیں پایا اور جب بحکم اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا (اللہ تعالےٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو اس کے اہل کے سپرد کرو) اس امانت کو اس کے اہل کے سپرد کرتے ہیں اور ان کمالات کو پورے ذوق سے اصل کو دے دیتے ہیں اور اپنے آپ کو معدوم پاتے ہیں اور میت جانتے ہیں کیونکہ وجود وحیات جب اصل کے پاس چلی گئی تو معدوم و میت رہ گئے۔ اور فنا متحقق ہوگئی۔ مولوی رومی فرماتے ہیں ؎

(۱) چوں بدانستی تو اورا از نخست سوئے آنحضرت نسب کردی درست

(۲) وانکہ دانستی کہ ظلِ کیستی فارغی گر مردی و گر زیستی[لـ]

فنا کے بعد اس کو بقا سے مشرف کریں گے اور دوسری مرتبہ وجود اور توابع وجود یعنی صفات کاملہ اس کو عطا کریں گے اور ولادت ثانیہ سے اس کو متصف کریں گے۔

لَنْ يَّلِجَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ مَنْ لَّمْ يُوْلَدْ مَرَّتَيْنِ — جو آدمی دو مرتبہ پیدا نہیں ہوا وہ آسمانوں کے ملکوت میں ہرگز داخل نہ ہوگا۔

هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا[لـ]

اے میرے خداوند! تنگی عبارت کی وجہ سے کچھ ایسے الفاظ جن کو شریعت نے استعمال نہیں کیا ہے مثلاً ظلیت وغیرہ میں ان کو استعمال کرتا ہوں اور یہ بھی کہتا ہوں کہ ممکن کا وجود وجود واجب کا ظل ہے اور اس کی صفات اللہ تعالےٰ کی صفات کاملہ کے ظلال ہیں۔ میں ایسے الفاظ استعمال کرنے سے ترساں و لرزاں ہوں اور چونکہ تیرے اولیاء نے ان الفاظ کو پہلے استعمال کیا ہے لہٰذا میں معافی کا امیدوار ہوں۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا خطا کریں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔

جاننا چاہیئے کہ اس تحقیق سے جو پہلے گذر چکی ہے واضح ہوا کہ صوفیہ جو کلام "ہمہ اوست" کے قائل ہیں عالم کو اللہ تعالےٰ کے ساتھ متحد نہیں جانتے اور حلول و سریان ثابت نہیں کرتے اور اگر حمل کرتے ہیں تو باعتبار ظہور و ظلیت کے ہے نہ باعتبار وجود و تحقق کے اور اگرچہ ان کے ظاہری الفاظ سے اتحاد وجودی کا وہم ہوتا ہے لیکن خدا کی پناہ کہ یہ ان کی مراد ہو کہ کفر اور الحاد ہے۔ اور جب ایک کا دوسرے پر محمول کرنا باعتبار ظہور جدا

لـ (۱) جب تو نے اس کو پہلے سے جان لیا تو اس بارگاہ کی طرف درست نسبت کر دی (۲) اور جب تم نے جان لیا کہ تو کس کا ظل ہے؟ تو تو زندگی اور موت دونوں حالتوں میں فارغ ہے لـ نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں ۱۲

نہ باعتبار وجود تو ہمہ اوست "کا معنی" ہمہ از وست" (سب کچھ اسی سے ہے) ہو اگر کسی چیز کا سایہ اس شے سے پیدا ہوتا ہے اور اگرچہ وہ غلبۂ حال میں "ہمہ اوست" کہتے ہیں لیکن اصل میں ان کی مراد اس عبارت سے "ہمہ از وست" ہوتی ہے تو اس صورت میں ان کے کلام پر طعن کرنے اور ان کو گمراہ و کافر کہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

جان لینا چاہیئے ظل شے سے مراد مرتبہ ثانی یا ثالث یا رابع میں ظہور شے ہے مثلاً زید کی صورت جو آئینہ میں منعکس ہوتی ہے اور مرتبۂ ثانی میں زید کا ظہور ہے اور زید اپنی اصل حیثیت سے اپنے اصلی وجود کے مرتبہ میں ہے کہ جس نے اپنے سایہ سے اپنے آپ کو آئینہ میں ظاہر کیا ہے بغیر اس کے کہ اس کی ذات و صفات میں کوئی تغیر و تبدیلی پیدا ہو جیسا کہ گزر چکا۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں معاف کر دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب نمبر ۹۰

فقیر ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا

(ان کے اس سوال کے جواب میں کہ بزرگ جو دل سے خدا تعالیٰ کا مشاہدہ کرتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے؟)

آپ نے پوچھا ہے کہ بعض محققین صوفیوں کی آنکھوں سے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رویت و مشاہدہ کو ثابت کرتے ہیں جیسا کہ شیخ عارف قدس سرہٗ نے اپنی کتاب العوارف میں کہا ہے کہ "مشاہدہ کی جگہ دل کی آنکھ ہے" اور شیخ ابو اسحاق کلاباذی قدس سرہٗ نے جو کہ اس طائفہ علیہ کے قدما میں سے ہے اور ان کا سردار ہے اپنی کتاب "تعرف" میں بیان کیا ہے کہ سب نے اتفاق کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں نہ آنکھوں سے دیکھے جا سکتے ہیں نہ دل سے مگر یقین کی جہت سے۔" ان دونوں تحقیقوں میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟ اور اس میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اور اختلاف کے باوجود اجماع کا کیا معنی ہے؟

جان لے اللہ تمہیں بھلائی کی راہنمائی کرے کہ اس مسئلہ میں فقیر کے نزدیک پسندیدہ صاحب تعرف قدس سرہٗ کا قول ہے اور یہ فقیر جانتا ہے کہ دل کو اس دنیا میں سوائے یقین کے اللہ تعالیٰ کی ذات سے اور کچھ حصہ نہیں ہے۔ اس کو رویت کہہ لیں یا مشاہدہ، اور جب دل کو بھی رویت نہ ہو گی تو آنکھوں کی کیا حقیقت ہے کہ وہ اس دنیا میں اس معاملہ میں بے کار اور معطل ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یقین کا معنی جو دل کو حاصل ہوا ہے عالم مثال میں رویت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے

اور جس پر یقین کیا گیا ہے (مُوقَن بِہٖ) وہ مرئی (دیکھا گیا) کی صورت میں کیونکہ عالمِ مثال میں ہر معنی کی ایک صورت ہے جو عالمِ شہادت کے مناسب ہے اور چونکہ عالمِ شہادت میں کمال یقین رویت میں ہے تو وہ یقین بھی عالمِ مثال میں رویت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور جب یقین رویت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو اس کا متعلق جو کہ مُوقَن بِہٖ ہے لازماً اس جگہ میں مرئی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور جب سالک اس کو مثال کے آئینہ میں مشاہدہ کرتا ہے تو آئینہ کے واسطہ سے غافل ہو جاتا ہے اور صورت کو حقیقت جانتے ہوئے سمجھتا ہے کہ اس کو حقیقی رویت حاصل ہوئی ہے اور مرئی ظاہر ہوا ہے وہ نہیں جانتا کہ وہ رویت اس کے یقین کی صورت ہے اور وہ مرئی اس کے مُوقَن بِہٖ کی صورت ہے۔

یہ صوفیہ کی غلطیوں میں سے ہے اور حقائقِ اشیاء سے صورِ اشیاء کا اشتباہ ہے اور یہی دیکھنا جب غالب آجاتا ہے اور باطن سے ظاہر کی طرف ٹپکتا ہے تو سالک کو وہم میں ڈال دیتا ہے کہ رویت بصری بھی حاصل ہوئی ہے اور مطلوب گردش سے آغوش میں آیا ہے وہ نہیں جانتا کہ اس معنی کا حصول جب اصل میں بھی جو کہ بصیرت ہے وہم اور تلبیس (اشتباہ) پر مبنی ہے تو آنکھ کو جو اس کی فرع ہے کیا حاصل ہوگا، اور اس کو رویت کہاں سے حاصل ہو جائے گی۔

اور رویتِ قلبی میں صوفیاء کی ایک بہت بڑی جماعت وہم میں مبتلا ہوئی ہے اور اس کے وقوع کا حکم کیا ہے اور رویتِ بصری میں شاید کوئی ناقص ہی اس طائفہ میں سے ہوگا جو اس کے وقوع کے وہم میں پڑا ہو اور اہلِ سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے اجماع کے مخالف ہوا ہو۔

سوال:۔ جب عالمِ مثال میں مُوقَن بِہٖ کی صورت پیدا ہوئی تو لازم آیا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اس جگہ صورت ہے۔

جواب:۔ تجویز کیا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اگرچہ مثل نہیں ہے لیکن مثال ہے اور جائز رکھا ہے کہ مثال میں کسی صورت میں ظہور فرمائے جیسا کہ صاحبِ فصوص قدس سرہٗ نے رویتِ اخروی کو بھی بصورت جامعہ لطیفہ مثالیہ مقرر کیا ہے اور اس جواب کی تحقیق یہ ہے کہ وہ مُوقَن بِہٖ صورتِ مثال میں اللہ تعالیٰ کی صورت نہیں ہے بلکہ صاحبِ یقین کے مکشوف کی صورت ہے کہ اس کے ایقان نے اس کے ساتھ تعلق پیدا کیا ہے اور وہ مکشوف اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعض وجوہ و اعتبارات سے ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، لہٰذا جب عارف کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی ذات تک پہنچتا تو اس قسم کے تخیلات پیدا نہیں ہوتے اور کوئی رویت اور مرئی متخیل نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی مثال میں کوئی صورت ثابت نہیں ہے کہ اس کو صورتِ مرئی میں ظاہر کرے اور اس کے ایقان کو رویت کی صورت میں معلوم کرائے۔

یا ہم اس طرح کہتے ہیں کہ عالمِ مثال میں معانی کی صورتیں ہیں نہ کہ ذات کی اور جب عالم سارے کا سارا

اسماؤ صفات کا مظہر ہے اور ذات سے کوئی حصہ نہیں رکھتا جیسا کہ کئی مواضع میں ہم اس کی تحقیق کر چکے ہیں تو لازماً سارے کا سارا معانی کی قسم سے ہوگا اور عالم مثال میں اس کی صورت ثابت ہوتی ہے اور کمالات۔ وجوب میں جس جگہ بھی صفت و شان ہے جو کہ ذات سے قیام رکھتی ہے وہ معانی کے قبیل سے ہے اگر اس کی مثال میں کوئی صورت ہو اگرچہ ناقص ہی ہو تو اس کی گنجائش ہے۔ لیکن اس کی ذات پناہ بخدا کہ مراتب میں سے کسی مرتبہ میں بھی صورت ہو کیونکہ صورت تحدید و تقیید کو مستلزم ہے وہ جس مرتبہ میں بھی ہو جائز نہیں ہے تمام مراتب جو کہ اس کے مخلوق ہیں کہاں گنجائش رکھتے ہیں کہ اپنے خالق کو محدود و مقید کریں جس نے بھی اللہ تعالٰی کے لئے مثال کو تجویز کیا ہے وہ باعتبار وجوہ و اعتبارات ہے نہ باعتبار عین ذات۔

اور اگرچہ مثال کی تجویز اللہ تعالٰی کے اعتبارات اور وجوہ میں ہے یہ بھی فقیر پر گراں ہے مگر اس صورت میں کہ ظلال میں سے کسی دور کے ظل میں اس کو تجویز کیا جائے۔ اس بیان میں سے واضح ہوا کہ عالم مثال میں معانی و صفات کی صورتوں کے نقش ثابت ہیں نہ کہ اللہ تعالٰی کے۔ پس وہ جو صاحب فصوص نے رویت اُخروی بصورتِ مثال تجویز کی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے وہ اللہ تعالٰی کی رویت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالٰی کی صورت کی رویت بھی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالٰی کی کوئی صورت نہیں ہے کہ اس سے رویت متعلق پیدا کرے اور اگر مثال میں کوئی صورت ہے تو ظلال بعیدہ میں سے کسی ظل کی صورت ہوگی پس اس کی رویت اللہ تعالٰی کی رویت کیوں ہوگی۔

شیخ قدس سرہٗ اللہ تعالٰی کی رویت کی نفی میں معتزلہ اور فلاسفہ سے پیچھے نہیں رہتا بلکہ رویت کا اثبات بھی ایسے طریقہ پر کرتا ہے جو نفی رویت کو مستلزم ہے اور یہ نفی صریح نفی سے زیادہ بلیغ ہے لِاَنَّ الْکِنَایَۃَ اَبْلَغُ مِنَ الصَّرِیْحِ (کیونکہ کنایہ صریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے) قضیہ مقررہ ہے ہاں اس قدر فرق ضرور ہے کہ فلاسفہ کی رہبر ان کی عقل عقیل ہے اور شیخ کا راہنما اس کا صحت سے بعید کشف ہے شاید کہ مخالفین کی نامکمل دلیلیں جو کہ شیخ کے خیال میں بہ ثبوت چکی تھیں انہوں نے اس کے کشف کو بھی اس مسئلہ میں صواب سے منحرف کر دیا ہے اور ان کے مذاہب کی طرف مائل ہو گیا ہے اور چونکہ وہ اہل سنت سے تھا تو اس کے لئے صورت کا اثبات کیا ہے اور اسی پر اکتفا کیا ہے اور اسی کو رویت سمجھا ہے۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا خطا کریں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔

اور اس دقیق مسئلہ کی تحقیق کتاب عوارف کے بعض مقامات کے حل میں بھی تحریر ہوئی ہے اور وہ جو آپ نے اجماع کے متعلق فرمایا تھا تو ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک ایسا اختلاف جو اعتبار کے قابل ہو

ظہور میں نہ آیا ہو یا اپنے زمانے کے مشائخ کا اجماع مراد رکھا ہو اور اللہ تعالیٰ ہی حقیقتِ حال کو بہتر جانے۔

مکتوب نمبر ۱۹

مولانا طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا

(ایمان حقیقی اور معرفت کے درمیان فرق کے متعلق ان کے سوال کے جواب اور اس کے مناسبات کے بیان میں)

حمد و صلوٰۃ اور دعاگوئی کے بعد عرض ہے کہ میرے بھائی عزیز کا گرامی نامہ جو شیخ سجاول کے ہاتھ بھیجا تھا پہنچا اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی تعریف ہے کہ تم سلامتی اور عافیت سے ہو۔ چند ایک سوال درج تھے ان کے جواب میں جو کچھ آیا لکھا گیا ہے اچھی طرح توجہ کریں۔

پہلا سوال:۔ یہ ہے کہ معرفت اور ایمان حقیقی میں کیا فرق ہے؟

اس کا جواب:۔ یہ ہے کہ معرفت اور چیز ہے اور ایمان اور چیز کیونکہ معرفت "پہچاننا" ہے اور ایمان، گرویدہ ہونا۔ کبھی شناخت تو ہوتی ہے لیکن ایمان نہیں ہوتا۔ اہل کتاب کو ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق معرفت تھی وہ پہچانتے تھے کہ پیغمبر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ (وہ آپ کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو) لیکن اپنے عناد کی وجہ سے چونکہ وہ گرویدہ نہیں ہیں ایمان متحقق نہ ہوا، اور ایمان کی طرح معرفت بھی دو طرح پر ہے ایک معرفت کی صورت ہے ایمان کی صورت کی طرح، اور ایک معرفت کی حقیقت ہے ایمان کی حقیقت کی طرح۔ ایمان کی صورت تو وہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی اور شفقت سے شریعت میں نجات اخروی کے لئے اس پر اکتفا کیا ہے اور وہ دل کا قبول کرنا ہے باوجود نفس امارہ کے انکار و سرکشی کے۔ اور معرفت کی صورت بھی اسی لطیفہ پر بند ہے باوجود جہالت نفس امارہ کے۔

اور معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ نفس امارہ اپنی پیدائشی جہالت سے نکل آئے اور شناسائی پیدا کرے اور ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ شناسائی کے بعد نفس گرویدہ اور مطمئن ہو جائے اور طبعی امارگی چھوڑ دے۔ اگر کہیں کہ شریعت میں تصدیق قلبی کو اعتبار کیا ہے اور یہ گرویدہ ہونا اس تصدیق کا عین ہے یا اس تصدیق سے الگ کوئی امر ہے اگر تصدیق سے الگ ہے تو لازم آئے گا کہ ایمان میں تین چیزوں کا اعتبار ہو۔ اقرار اور تصدیق اور گرویدہ ہونا۔ اور یہ علما کے مقررہ اصول کے برخلاف ہے اور بعض نے عمل کو بھی ایمان میں داخل کیا ہے تو عمل ایمان کا چوتھا جزو ہو جائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ گرویدہ ہونا عین تصدیق ہے کیونکہ تصدیق جو حکم ہے وہ یقین سے عبارت ہے جس کو گرویدہ ہونے سے تعبیر کیا ہے۔

اگر یہ سوال کریں کہ اہل کتاب ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو جب نبوت کے عنوان سے جانتے ہیں تو لازماً ان کی نبوت کا حکم بھی کریں گے اور ان کو یقین اور گرویدہ ہونا بھی حاصل ہو جائے گا کیونکہ اس صورت میں حکم لگانا عین گرویدہ ہونا ہے پس ان کے حق میں ایمان کیوں متحقق نہ ہوگا اور کس وجہ سے وہ کفر سے باہر نہ نکلیں گے؟

تو اس کا جواب میں یہ کہوں گا کہ وہ عنوان نبوت سے جانتے ہیں لیکن تعصب اور عناد کی وجہ سے ان کے دل کو یقین حاصل نہیں ہوتا تھا تاکہ اس کی نبوت کا حکم لگائیں وہ صرف معرفت اور تصور تھا یقین نہ تھا تاکہ وہ تصدیق ہوتا اور ایمان تک پہنچاتا اور کفر سے باہر لاتا۔ بڑا باریک فرق ہے اس کو سن اور اپنے وجدان سے اس کی تہ تک پہنچ باوجود عناد کے نَبِيُّ اللّٰهِ فَعَلَ كَذَا (اللہ کے نبی نے ایسا کیا) کہا جا سکتا ہے لیکن جب تک یقین پیدا نہ ہو اِنَّهٗ نَبِيُّ اللّٰهِ (یقیناً وہ اللہ کا نبی ہے) نہیں کہا جا سکتا اس لئے کہ پہلی صورت میں تصور ہے اور معرفت مشہورہ کا حاصل ہے اور دوسری صورت میں تصدیق ہے جو کہ یقین اور گرویدہ ہونے پر مبنی ہے اور جب تک یقین نہ ہو تو تصدیق کس طرح ہو سکتی ہے۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ پہلی صورت میں نبوت کا اثبات نہیں ہے بلکہ نبی کے فعل کا اثبات ہے اور دوسری صورت میں مقصود اثبات نبوت ہے کہ عناد اس کی طاقت نہیں رکھتا پھر یقین کی کیا صورت ہو اور اگر بالفرض بغیر یقین کے حصول کے یقین پیدا ہوا ور حکم لگایا جائے تو وہ بھی تصورات میں داخل ہے اگرچہ اس کی صورت تصدیق کی ہے۔ جب تک یقین پیدا نہ ہو۔ تصدیق کی حقیقت کی کوئی صورت نہیں ہے اور نہ ایمان حاصل ہوتا ہے یہ مسئلہ علم کلام کے اصولی مسائل میں سے ہے اور بحث دقیق ہے بڑے بڑے متبحر علماء اس کے حل میں عاجز ہیں اور بعض نے ان میں سے مجبور ہو کر تیسرے رکن کو ایمان میں بڑھایا ہے اور گرویدہ ہونے کو تصدیق پر زائد رکھا ہے اور کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے تصدیق کو عین گرویدہ ہونا کہا ہے۔ وہ اس مسئلہ کو صحیح طور پر حل نہیں کر سکے اور اجمالاً اس کو بیان کر کے گذر گئے ہیں۔ سب تعریف اس اللہ کو ہے جس نے ہمیں اس کی راہنمائی فرمائی اور اگر وہ ہماری راہنمائی نہ کرتا تو ہم کبھی راہ نہ پا سکتے۔

تنبیہ: مرکب اضافی اور مرکب توصیفی مثلاً نَبِيُّ اللّٰهِ (اللہ کا نبی) اور هٰذَا النَّبِيُّ (یہ نبی) اگرچہ اس حکم کے متضمن ہیں کہ بِاَنَّهٗ نَبِيٌّ (کہ وہ نبی ہے) اور آپ کی عنوان نبوت سے معرفت پر مشتمل ہے لیکن تصدیق کا حصول کہ بِاَنَّهٗ نَبِيٌّ (وہ نبی ہے) یہ یقین پر موقوف ہے جو کہ ایمان کا مثبت ہے۔ غُلَامُ زَيْدٍ فَعَلَ كَذَا (زید کے غلام نے اس طرح کیا) اور رَجُلٌ صَالِحٌ حَكَمَ بِكَذَا (نیک آدمی

نے ایسا حکم کیا)، دونوں بغیر یقین کے ثابت اور صحیح ہیں اور دونوں میں غلابیت اور صلاحیت کے عنوان کی معرفت ثابت ہے لیکن یقین نہیں ہے تاکہ غلابیت اور صلاحیت میں ہر ایک کی تصدیق حاصل ہو۔

اگر یہ کہا جائے کہ تم نے نفس کے یقین کو دل کے یقین کے بعد کہا ہے اور نفس کے یقین کو ایمان حقیقی سے تعبیر کیا ہے حالانکہ فلاسفہ اور ارباب معقول نے تصدیق میں مطلق اذعان نفس کہا ہے اور اذعان قلب کی بات بھی نہیں کی ہے۔ تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ ارباب معقول کبھی نفس سے روح مراد لیتے ہیں اور کبھی اس سے دل مراد لیتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ان کی فلسفی موشگافیاں دوسری جگہوں میں ہیں کہ ان میں سے اکثر بے فائدہ ہیں اور اس جگہ وہ سب معطل و بیکار ہیں اور عوام کا حکم رکھتے ہیں۔ اس میدان میں تدقیق کی نوبت صوفیاء کو پہنچی ہے جو کہ ہر لطیفہ کے احکام سے موصوف ہوتے ہیں اور ہر ایک لطیفہ سے سیر و سلوک کے ساتھ اوپر گذر جاتے ہیں اور نفس کو دل سے جدا کرتے ہیں اور روح کو سر سے علیحدہ اور خفی کو اخفیٰ سے الگ کرتے ہیں۔

ارباب معقول کو ان کے ناموں کی معرفت کے سوا کچھ بھی حصہ نہ معلوم نہیں فلاسفہ نے نفس امارہ کو بہت بڑی شے سمجھ رکھا ہے اور اس کو مجردات (ازمادہ) سے شمار کیا ہے اور قلب و روح کا نام تک نہیں لیا اور سر اور خفی اور اخفیٰ کا ان کے ہاں نشان تک نہیں ملتا کہ "اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جو اہل کو اہل کے ساتھ ملاتا ہے"۔

اور دوسرا جواب میں یہ کہتا ہوں کہ ارباب معقول نے عادی عرفی احکام کے مطابق نفس کے یقین کو جوان کے فہم کے قریب تھا ذکر کیا ہے اور ہماری بات احکام شرعیہ کی تصدیقات کے متعلق ہے کہ نفس کو بالذات ان سے انکار ہے یقین کیا ہوتا ہے؟ اور یہ وہ انکار ہے جو منکر کو ان احکام والے کی عداوت کی حد تک پہنچا دیتا ہے۔ ہم اپنے نفسوں کی شرارت اور اعمال کی برائیوں سے اللہ کی پناہ لیتے ہیں۔ حدیث قدسی میں آیا ہے۔

عَادِ نَفْسَكَ فَإِنَّهَا انْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِي[1] اپنے نفس سے عداوت رکھ کہ وہ میری دشمنی پر کھڑا ہے

ارحم الراحمین نے کمال مہربانی سے اوائل حال میں نفس کے یقین کو منظور نہیں رکھا اور دل کے یقین سے نجات کو وابستہ کیا ہے، اور اگر اس کے بعد محض اللہ کے فضل و کرم سے نفس کا یقین بھی میسر ہو جائے تو نور علی نور اور خوشی پر خوشی اور ولایت کے درجات تک وصول اور ایمان کی حقیقت کا حصول ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ "اس فقیر کی فہم و دانش کے مطابق جواب لکھا جائے کہ جس کو میں معلوم کر سکوں"

---

[1] یہ الفاظ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلمات قدسیہ میں سے ہیں۔ ۱۲

کیا کیا جائے کہ مسئلہ بڑا دقیق ہے اور اس کا حل بھی بغیر وقت کے مشکل ہے بلکہ نفسِ حل بھی وقت طلب ہے گُناہ کس کا نام ہے چاہیئے تو یہ تھا کہ پہلے سوچتے اور اس طریقہ پر اس سربستہ راز کو حل کرنے کے سوال کی جرأت نہ کرتے فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْا اَنْفُسَکُمْ (سو مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو)

دُوسرا سوال یہ تھا کہ زہّاد اور عبّاد ایمان حقیقی سے مشرف ہیں یا نہیں؟

جواب:- اگر مقربین کے مرتبہ میں پہنچ جائیں اور ان کے نفس مطمئن ہو جائیں تو ایمان حقیقی تک پہنچ جاتے ہیں۔

تیسرا سوال یہ تھا کہ اجمال معرفت والے کو جو کہ کفر حقیقی کا منشأ (پیدا ہونے کی جگہ) ہے تم ان کو عارف کس طرح کہا جا سکتا ہے؟

جواب:- اس عبارت کا مطلب صحیح طور پر معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کا مقصد کیا ہے؟ خود مغلق عبارت لکھتے ہو اور دُوسروں کو منع کرتے ہو اگر یہ مقصود ہے کہ کافر طریقت کو عارف کس معنی سے کہا جا سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کافر طریقت بھی خدا تعالےٰ کو وحدت کے سوا پہچانتا ہے اور اس کے ماسوا کو اس نے نابود اور ناچیز کر دیا ہے لہٰذا عارف ہے۔ لیکن عارف کامل نہیں ہے کیونکہ وُہ تمیز سے باہر آ چکا ہے پھر جب تمیز تک پہنچے گا تو عارف کامل ہو جائے گا اور ایمان حقیقی سے مشرف ہوگا۔ والسّلام

مکتوب نمبر ۹۲

فقیر ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا

(ان کے سوال کے جواب میں جو انہوں نے صوفیاء کے خدا تعالےٰ کے کلام کو سننے اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ مکالمہ کرنے کے متعلق کیا تھا)

آپ نے پوچھا تھا کہ بعض عرفاء نے فرمایا ہے کہ ہم اللہ تعالےٰ کے کلام کو سنتے ہیں یا ہمارا اللہ تعالےٰ کے ساتھ مکالمہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ امام بزرگ جعفر صادق رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا، "مَیں بار بار آیت کو پڑھتا رہا یہاں تک کہ مَیں نے اس کو اس کے کلام کرنے والے سے سُنا" اور رسالہ غوثیہ سے بھی جو کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی طرف منسوب ہے یہی مفہوم ہوتا ہے اس کا کیا معنی ہے اور اس کی تحقیق آپ کے نزدیک کیا ہے؟

جان لے کہ اللہ تیری رہنمائی کرے کہ اللہ تعالےٰ کا کلام اللہ تعالےٰ کی ذات اور باقی صفات کی طرح بے چون و بے چگون ہے اور اس بیچون کلام کا سماع بھی بے چون ہے اس لئے کہ چون کو بے چون سے کوئی راہ

نہیں ہے پس وُہ سماع حاسّۂ سمع سے وابستہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ سرا سر بےچون ہے اس جگہ اگر بندہ سے بھی استماع ہے تو وہ روحانی قبولیت سے ہے کہ وہ بےچونی سے حصّہ رکھتا ہے اور حروف اور کلمات کے وسیلہ کے بغیر ہے اور اگر بندہ کی طرف سے کلام ہے تو وُہ بھی بغیر حروف و کلمات کے روحانی القاء سے ہے اور یہ کلام بےچونی سے حصّہ رکھتی ہے جو بےچون کو سُنی جاتی ہے۔

اس کے باوجود ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ لفظی کلام جو بندہ سے صادر ہوتا ہے اللہ تعالٰی اس کو بھی بےچونی کے سماع سے سُنتا ہے اور حروف و کلمات کے واسطہ کے بغیر اس کو سُنتا ہے اور اس کے سُننے میں تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی کیونکہ "اللہ تعالٰی پر زمانہ جاری نہیں ہوتا جس میں تقدیم و تاخیر کی گنجائش ہو" اور اگر اس مقام میں بندہ سے سماع ہے تو وہ کلی طور پر پورے کا پورا سامع ہے اور اگر کلام ہے تو بھی پُورے کا پُورا متکلم ہے، وہ سب کا سب کان ہے اور سب کا سب زبان ہے۔ میثاق کے روز جو ذرّات آدم کی پیٹھ سے نکالے گئے تھے انہوں نے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟) کا قول بےواسطہ پُورے طور پر سُنا اور پورے کے پورے ذرّے نے بَلٰی (ہاں کیوں نہیں) کا جواب دیا وہ سب کان تھے اور سب زبان تھے کیونکہ اگر کان زبان سے الگ ہوتا تو بےچون کے کلام کا سماع حاصل نہ ہوتا اور مرتبہ بےچون کے تعلق کے لائق نہ ہوتا "بادشاہ کے تحائف کو اس کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں"

خلاصہ کلام یہ کہ وہ معنی متلقیٰ جو انہوں نے رُوحانیت کی راہ سے اخذ کیا ہوتا ہے جب دُوسری مرتبہ عالم خیال میں کہ وہ انسان میں عالم مثال کی شکل ہے حروف و کلمات مترتبہ کی صورت میں متشکل ہوتا ہے اور وُہ تلقی (سیکھنا)، والقاء، سماع و کلام لفظی کی صُورت میں منقش ہوتا ہے کیونکہ ہر معنی کے لئے اس عالم میں ایک صورت ہے اگرچہ وہ معنی بےچون ہو۔ لیکن بےچون کا منقش ہونا بھی اس جگہ میں بصورت چون ہے کہ فہم و افہام اس کے واسطہ سے وابستہ ہے جو کہ اس نقش کا مقصود ہے۔

اور جب متوسط سالک اپنے اندر حروف اور کلمات مترتبہ کو پاتا ہے اور سماع اور کلام لفظی کا احساس کرتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ ان حروف و کلمات کو اصل سے سُنا ہے اور بغیر کسی فرق کے اسی جگہ سے اخذ کیا ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ یہ حروف و کلمات اس معنی متلقیٰ کے صُوَرِ خیالیہ ہیں اور یہ سماع اور کلام لفظی بےچون کلام اور سماع کی شکل ہے۔ پوری معرفت والا عارف چاہیئے جو کہ ہر مرتبہ کے حکم کو الگ کرے اور ایک کو دوسرے کے ساتھ مختلط نہ ہونے دے پس ان کا بر کا سماع و کلام جو کہ بےچونی کے مرتبہ سے وابستہ ہے یہ القاء روحانی اور تلقی کے قبیل سے ہے اور یہ کلمات و حروف جو کہ اس معنی متلقیٰ کی تعبیر کرتے ہیں۔ وُہ عالمِ صُوَرِ مثالیہ سے ہے۔

اور وہ گروہ جنہوں نے خیال کیا ہے کہ ہم حروف و کلمات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے سنتے ہیں ان کے دو فرق ہیں ان میں سے ایک فریق جو دوسرے سے اچھے حال والا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ حروف اور کلمات حادثہ جو سنے جاتے ہیں یہ کلام نفسی قدیم پر دلالت کرتے ہیں اور دوسرا فریق کہتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے ہیں اور انہی حروف اور کلمات مترتبہ کو اللہ تعالیٰ کا کلام جانتے ہیں اور اس چیز میں فرق نہیں کرتے کہ کونسی چیز اللہ تعالیٰ کی جناب کے لائق ہے اور کونسی چیز جناب قدس کے لائق نہیں ہے۔ یہ لوگ جاہل اور باطل پرست ہیں ان لوگوں کو پتہ نہیں کہ کونسی چیز اللہ تعالیٰ کے لئے جائز ہے اور کونسی چیز اللہ تعالیٰ کے لئے جائز نہیں ہے۔ تو پاک ہے ہمیں تیرے بتائے ہوئے کے بغیر کچھ علم نہیں ہے یقیناً تو ہی ہے جاننے والا حکمت والا۔ والصلوٰۃ والسلام علی خیر البشر وآلہٖ واصحابہ الاطہر۔

مکتوب نمبر ۹۳

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا۔

(تعین اول وجودی کی تحقیق اور تعینات حبیب و خلیل علیہم الصلوات والتسلیمات کے مبادی میں فرق کا بیان)

وہ جو آخر کار اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے معلوم ہوا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا تعین اول تعین حضرت وجود ہے جو تمام اشیا کو محیط ہے اور تمام اضداد کا جامع ہے اور خیر محض اور کثیر البرکت ہے یہاں تک کہ اس طائفہ علیہ کے اکثر مشائخ نے اس کو عین ذات کہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کی زیادتی کو منع کیا ہے یہ بڑا لطیف اور باریک مقام ہے کہ ہر ایک کی آنکھ اس کو معلوم نہیں کر سکتی اور ذات اصل سے الگ نہیں کر سکتی یہی وجہ ہے کہ اس کا تعین اس مدت میں مخفی رہا اور متعین سے الگ نہ ہوا اور ایک بہت بڑی جماعت نے اس کو خدا سمجھ کو پوجا ہے اور اس کے بعد کوئی مطلوب معبود نہیں سمجھا ہے اور اسے آثار خارجی کا مبدا جانا ہے اور حوادث یومیہ کا موجد و خالق مانا ہے اور یہ غیر حق سے حق کی تمیز ایک ایسی دولت تھی جو اس عاجز اور مسکین کے لئے ذخیرہ کر رکھی تھی اور غیر معبود کی معبود سے مشارکت کی نفی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا نپس خوردہ تھا جو ان کے خادم کے لئے نگاہ رکھا تھا۔ تمام تعریفیں اس اللہ کو ہیں جس نے ہمیں اس کی رہنمائی کی اور اگر اللہ تعالیٰ ہماری راہنمائی نہ کرتا تو ہم کبھی راہ نہ پا سکتے یقیناً ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ تعین اول وجودی خلیل الرحمٰن علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب ہے اور ان کا اور ان کی خلقت کا مبدا تعین بھی یہی ہے اور یہ بھی بتایا گیا کہ اس تعین کا مرکز اس کا بہترین حصہ ہے جو اپنے اصل سے

بہ نسبت دوسرے اجزاء کے اقربیت کی نسبت رکھتا ہے یہ حضرت حبیب اللہ کا رب ہے اور ان کا اور ان کی محبت کا مبداء تعین ہے علیہ وعلی جمیع الانبیاء الصلوات والتسلیمات۔

سوال:۔ تعین اول جب حضرت خلیل کا رب ہے تو ہمارے پیغمبر علیہ وعلی خلیل الرحمٰن الصلوٰۃ والسلام نے کس حیثیت سے فرمایا ہے کہ

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ[1] — کہ سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور ہے۔

جواب:۔

دائرہ کا مرکز اجزائے دائرہ میں سے سب سے پہلے (اسبق) ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ جزء کو کل پر تقدم حاصل ہے۔ پس لازماً آنحضرت کا مبدأ تعین جس کو آپ نے اپنے نور سے تعبیر فرمایا ہے سب سے اسبق ہوگا علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام۔ دائرہ کا مرکز اگرچہ دائرہ کا جزء ہے اور دائرہ اس کا کل ہے لیکن یہ وہ جزء ہے کہ کل کے سارے اجزاء اس سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے کہ دائرہ کے محیط کے تمام اجزاء اس جزء کے ظلال ہیں جو کہ اس دائرہ کا مرکز ہے۔ اگر وہ جزء نہ ہوتا تو دائرہ کا نام و نشان نہ ہوتا۔

پس واضح ہوا کہ حضرت خلیل کا رب اور ان کا مبدأ تعین، تعین اول ہے اور تعین اول کا منشا اور پیدا ہونے کی جگہ جو کہ اس کا اشرف ترین جزء اور مرکز ہے وہ حضرت خاتم الرسل علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کا رب اور مبدأ تعین ہے۔ پس سب سے زیادہ سبقت لے جانے والی خاتم نبوت کی حقیقت ہے اور دوسروں کے ظہور کا منشا بھی وہی ہے علیہ وعلی جمیع الانبیاء الصلوات والبرکات۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث قدسی میں حبیب اللہ کی شان میں آیا ہے۔

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ وَلَمَا اَظْهَرْتُ الرُّبُوْبِيَّةَ[2] — اگر تو نہ ہوتا تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا اور نہ اپنی ربوبیت کا اظہار کرتا۔

اور چونکہ حضرت خاتم الرسل علیہ علیہم الصلوات والتسلیمات کا مبدأ تعین، تعین اول کے دائرہ کا مرکز ہے جو کہ حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوات والتسلیمات کا مبدأ تعین ہے تو لازماً ولایت محمدی جس کا منشا محبت

---

[1] اس حدیث کو علامہ زرقانی نے شرح المواہب میں ذکر کیا ہے اور مجانیہ الاوائل میں ہے کہ حدیث اول ما خلق اللہ نوری، حسن حدیث ہے اور شیخ محی الدین ابن عربی نے فتوحات میں بھی اسے ذکر کیا، اور محدث عبدالرزاق نے بروایت جابر رضی اللہ عنہ اسی مضمون کی ایک حدیث روایت کی ہے۔

[2] دیلمی نے مسند فردوس میں ابن عباس سے اسی مضمون سے ملتی جلتی ایک حدیث روایت کی، اسی طرح مواہب میں ہے نیز حاکم نے بھی اپنے مستدرک میں اس مضمون کی حدیث روایت کی۔ علامہ سبکی نے شفاء السقام میں اسے برقرار رکھا علامہ بلقینی نے اپنے فتاویٰ میں برقرار رکھا۔ لہٰذا معناً اس حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔ ۱۲

ہے خلیل ولایت کا مرکز ہو گا جس کا منشا، محبت ہے علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ولایت خلیلی باوجود اولیت رکھنے کے ولایت محمدی اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے درمیان حاجز اور حائل نہیں ہوتی کیونکہ دائرہ کا مرکز ذاتی طور پر دائرہ سے سبقت رکھتا ہے پس پچھلا پہلے کے آگے حائل نہیں ہو سکتا بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔

اور اس مرکز کے قرب و سبقت کی دوسری وجہ بھی سُن۔ جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس مرکزی نقطہ میں دُور دُور تک جایا جائے گا کہ اس دائرہ کا مرکز محبت ہے مُحب اور محبوب الگ الگ ہو جائیں گے، اور دائرہ کی صُورت پیدا ہوتی ہے کہ اس دائرہ کا مرکز محبوبیت ہے اور اس کا مُحیط محبیت۔ تو وہ محبیت ولایتِ موسوی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبداء ہے اور اس مبداء کی محبُوبیت ولایت محمدی ہے علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام۔ پس یہ محبُوبیت کا مرکز اس مرکز محبیت سے کہ دائرہ ہو چکا ہے پہلے ہُوا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے زیادہ نزدیک ہُوا۔ کیونکہ مرکز کو ایک ایسا قُرب اور سبقت ہے جو دائرہ کو نہیں ہے اور اسی طرح اس مرکز کو دائرہ کے محیط کی نسبت سبقت اور قُرب ہے جو محیط کو نہیں ہے پس ولایت محمدی ولایت موسوی سے بھی اسبق و اقرب ہُوئی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔

اور ولایت محمدی کی سبقت اور قُرب کی ایک اور وجہ بھی سُن کہ جب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس مرکز محبُوبیت کے اندر دُور دُور تک جایا جائے گا تو وہ مرکز بھی دائرہ کی صورت پیدا کرتا ہے کہ جس کا مرکز خالص محبوبیت نظر آتی ہے اور اس محبوبیت کا مُحیط مُحبیت سے ملا ہُوا ظاہر ہوتا ہے جو کہ آپ کی اُمت کے افراد میں سے کسی فرد کو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی میں نصیب ہوتا ہے بلکہ جو ولایت موسوی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبعیت میں بھی جو کہ محیط دائرہ کے مناسب ہے۔ اسی وجہ سے آیا ہے کہ ولایت محمدی ہر وقت مرکز ہے اور محبیت کا منشا بھی اسی ولایت کے برکات سے ہے کہ جس کے طفیل سے مرکز ثانی دائرہ ہُوا ہے اور ایک اور مرکز اس سے پیدا ہُوا ہے جاننا چاہیئے کہ یہ فیصلہ مرکز کام کو بہت آگے لے جاتا ہے اور نزدیک سے نزدیک تر بنا دیتا ہے ؎

با کریماں کارہا دشوار نیست[1]

ان دقائق و اسرار پر اور زیادہ کیا لکھا جائے اور تعینِ اوّل سے اوپر اس سے زیادہ کیا کہا جائے۔ اگرچہ تعین اوّل کے اُوپر اور کچھ نہیں ہے کہ وہ اس کا جزو ہے یا جزو کا جزو ہے ایک واسطہ سے یا دو واسطہ سے لیکن کشفی نظر میں تعین اوّل سے کئی مراتب سبقت رکھتا ہے اور اس سے کئی منزل مطلوب کے زیادہ قریب ہے۔

---

[1] کریم لوگوں پر کوئی کام مشکل نہیں

سوال :- ہر وہ کمال جو جزو کو میسر ہوتا ہے کل کو بھی میسر ہے کیونکہ کل اس جزاور دوسرے اجزاء سے عبارت ہے پس وہ سبقت و قرب جو جزء میں پیدا ہوتا ہے کل میں نہیں ہوتا اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب :- وہ کمال جو جزء میں بطریق اصالت پیدا ہوتا ہے وہ کل میں جزء کی وساطت و تبعیت سے ہوتا ہے نہ کہ بطریق اصالت اور اس میں شک نہیں ہے کہ اصل کو ایک سبقت ہے جو تبعیت کو نہیں ہے اور اصل کو ایک قرب ہے جو فرع کو نہیں۔ پس اگر مرکز دائرہ اپنے خصوص کمالات میں دائرہ سے پیش قدمی کرے تو گنجائش رکھتا ہے۔ اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ جزء کا کمال کل میں اس وقت سرایت کرتا ہے کہ وہ کمال اس جزء کی اصلی ماہیت سے پیدا ہوا ہو اور اگر جزء میں کوئی ایسا کمال ہو جو جزء کی ماہیت کے انقلاب کے بعد پیدا ہوا ہو تو لازم نہیں ہے کہ کل میں سرایت کرے کہ وہ جزء اپنی ماہیت کے انقلاب کے بعد اس کل کا جزء نہیں رہا ہے کہ وہ اس میں سرایت کرے مثلاً چاندی کہ اس کا ایک جزء اکسیر کے عمل سے سونا ہو جاتے اور چاندی کی ماہیت سے سونے کی ماہیت میں تبدیل ہو جائے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس جزء کے سونے کے کمالات چاندی میں جو کہ اس کا کل ہے سرایت کر جائیں گے کہ وہ جزء انقلاب کے بعد اس کا جزء نہیں رہا ہے کہ وہ اس میں سرایت کرے اس کو سمجھ اور اس پر ہمارے مسئلہ کی معرفت کو قیاس کر۔

سوال :- تعین اول وجودی کا وجود خارج میں ہے یا وہ صرف ثبوت علمی ہی رکھتا ہے اور بس اور ان دو شقوں میں سے کوئی بھی درست نہیں آتی کیونکہ خارج میں ان بزرگواروں کے نزدیک سوائے ایک ذات تعالیٰ کے کوئی موجود نہیں ہے اور اس خارج میں بھی تعینات اور تنزلات کا کوئی نام ونشان نہیں ہے اور اگر ثبوت علمی کہیں تو لازم آتا ہے کہ تعین علمی اس سے سابق ہو اور یہ مفروضہ کے خلاف ہے۔

جواب :- میں کہتا ہوں کہ نفس الامر میں ثابت ہے اور اگر خارج میں بھی اس معنی سے کہیں کہ علم کے علاوہ بھی اس کا ثبوت ہے تو اس کی بھی گنجائش ہے اور اللہ تعالیٰ ہی درست بات کا الہام کرنے والے ہیں۔

مکتوب نمبر ۹۴

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا

(کمال و جمال ذاتی اور اس مرتبہ مقدسہ کا بیان جو اوپر ہے اور حبیب و خلیل و کلیم علیہم السلام کے ان دو مراتب میں سے تعینات کا حصہ اور ان دو مراتب میں حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کے حصہ کا بیان)

اللہ تعالیٰ کی ذات پاک بذات خود جمیل ہے اور اس کے لئے حسن و جمال ذاتی ثابت ہے لیکن وہ

حسن وجمال نہیں جو ہمارے لئے مدرَک ومکشوف ہو اور ہمارے عقل وخیال میں آسکے اس کے باوجود اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں ایک مقدس مرتبہ ہے کہ یہ حسن وجمال بھی اللہ تعالےٰ کی عظمت وکبریائی کی وجہ سے اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا اور اس کے حسن وجمال سے متصف نہیں ہو سکتا۔ تعین اول جو کہ تعین وجودی ہے۔ اسی جمال وکمال ذاتی کا تعین ہے اور اس کا پہلا ظل ہے اور اس مرتبۂ قدس سے کہ کمال وجمال کو بھی وہاں گنجائش نہیں ہے اس تعین میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے کہ وہ اپنی انتہائی عظمت وکبریائی کی وجہ سے کسی تعین سے متعین نہیں ہو سکتا۔ ؎

دُر[1] کدام آئینہ در آید او

اس کے باوجود اس تعین اول کے دائرہ کے مرکز میں ایک راز اور کیفیت رکھ دی گئی ہے اور اس بے نشان کا نشان اسی جگہ میں پوشیدہ کر رکھا ہے۔ جیسا کہ تعین اول ولایت خلیلی کا منشا ہے تو وہ راز اور کیفیت جو اس تعین کے مرکز میں رکھی ہے وہ ولایت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور وہ حسن وجمال ذاتی کا تعین اول اس کا ظل ہے صباحت (رنگ سپیدی) کے مشابہ ہے جو کہ عالم مجاز میں رخسار کے حسن ورخسار کے جمال کے قبیل سے ہے اور وہ راز وکیفیت جو مرکز میں ودیعت کی ہے مَلاحت سے مشابہت رکھتا ہے جو کہ قد کی خوبی اور رخسار کی صباحت سے بلند مرتبہ چیز ہے اور آنکھ کے حسن اور خال کے جمال کے علاوہ ایک ذوقی امر ہے جب تک وہ ذوق نصیب نہ ہو معلوم نہیں ہو سکتا۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

آں شُد وار[2] و آں نگار کہ آنست ہر چہ ہست
آں را طلب کنند حریفاں کہ آں کجاست

اس بیان سے ان دونوں ولایتوں کا درمیانی فرق سمجھ۔ اگرچہ یہ دونوں اللہ تعالےٰ کی بارگاہ قدس سے پیدا ہوئے ہیں لیکن ایک کا مرجع ذات کے کمالات ہیں اور دوسرے کا مآل صرف اللہ تعالےٰ کی ذات ہے اور چونکہ مَلاحت، صَباحت سے بلند مرتبہ ہے پس ملاحت تک وصول کی صورت اس وقت ہو سکتی ہے۔ جبکہ صباحت کے مراتب طے کر لئے جائیں۔ جب تک ولایت ابراہیمی کے تمام مقامات کا وصول میسر نہ ہو جائے اس ولایت کی حقیقت تک جو کہ ولایت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی بلند چوٹی ہے وصول میسر نہیں آسکتا۔ یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو ملت ابراہیمی کی متابعت کا حکم ہوا علیہما الصلوٰۃ والسلام تاکہ اس متابعت کے وسیلے سے ان کی ولایت کی حقیقت تک پہنچ سکیں اور اس جگہ سے اپنی ولایت کی حقیقت تک پہنچ سکیں کہ جس کو ملاحت سے تعبیر کیا ہے۔

اور چونکہ ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو ولایت خُلّت کے دائرہ کے مرکز سے ذاتی مناسبت ہے کہ

---

[1] وہ کن سے آئینہ میں سما سکتا ہے ۱۲ [2] وہ معشوق جو کچھ رکھتا ہے جو کچھ ہے وہی ہے اس کو حریف طلب کرتے ہیں کہ وہ کہاں ہے ۱۲

وہ کمال ذات کے زیادہ قریب ہے اور اس دائرہ کے محیط سے اس کی مناسبت کمتر ہے کیونکہ وہ کمالات ذات کی طرف توجہ رکھتے ہیں پس جب تک اس دائرہ کے محیط کے کمالات سے بھی متصف نہ ہو ولایت خُلّت پُوری نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ صلوٰۃ اثورہ میں آیا ہے کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ تاکہ ولایت خُلّت کے کمالات پورے کے پورے آپ کو میسّر ہو جائیں جیسا کہ اس ولایت والے کو میسّر تھے علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور چونکہ ولایت محمدی کا طبعی مقام دائرہ خلیل کا مرکزی نقطہ ہے علیہما الصلوٰۃ والسلام اور اس کی سیر بھی اس دائرہ کی مرکزی سیر پر مقصور ہے تو لازماً اس جگہ سے باہر آنا اور محیط دائرہ میں پہنچنا اور اس کے کمالات کا اکتساب کرنا مشکل ہوتا ہے اور طبیعت کے برخلاف ہوتا ہے پس رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے کوئی فرد واسطہ چاہیئے جو کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی متابعت کی وجہ سے اس مرکز کے مین میں ہو اور دوسرے طریقہ سے اس دائرہ کے محیط سے مناسبت رکھتا ہو، تاکہ وہ اس مرتبہ کے کمالات حاصل کرے اور اس مرتبہ کی حقیقت سے متصف ہو اور اس کا تبوع پیغمبر بحکم۔

مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَ اَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا۔[1] جو کوئی اچھا طریقہ رائج کرے تو اس کو اپنا اجر بھی ملتا ہے اور ان کا بھی جو اس پر عمل کریں،

اس فرد کے وصل کے ذریعہ سے ان کمالات سے بھی متصف ہوتا ہے اور مراتب خلیل پورے کرتا ہے۔ اس مقام کا راز جو اس فقیر پر ظاہر کیا ہے کہ دائرہ ولایت خُلّت کے مرکز کا نقطہ جو کہ اس کے تمام نقاط میں سے محبت کے ساتھ ممتاز ہوا ہے اگرچہ بسیط ہے لیکن چونکہ وہ محبیّت اور محبوبیّت کے اعتبار کا متضمن ہے لہٰذا وہ دائرہ کی صورت پیدا کرتا ہے اور اس مرکز سے دائرہ پیدا ہوتا ہے جو کہ اس اعتبار محبیت کا محیط ہے اور اس محبُوبیت کے اعتبار کا مرکز ہے اور موسوی ولایت علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا منشا اعتبار محبیت ہے جو کہ اس دائرہ کا محیط ہے اور ولایت محمدی کا منشا اعتبار محبیت ہے جو کہ اس دائرہ کا مرکز ہے۔ حقیقت محمدی کا حصُول اس جگہ تصوّر کرنا چاہیئے۔ اور ہزار سال کے بعد اس دائرہ ثانی کے مرکز کے نقطہ نے بھی جو کہ حقیقت محمدی اس کے ساتھ وابستہ ہے وسعت پیدا کی اور اس میں دو اعتبار ظاہر ہوئے اور دائرہ کی صورت میں باہر آیا کہ وہ اس محبُوبیت خاص کا مرکز ہے اور اس محبُوبیت کا محیط محبیّت سے ملا ہوا ہے اور ولایت احمدی کا منشا اس دائرہ کا مرکز ہے اور احمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا نام ہے کہ آسمان والوں میں وہ اس نام سے معروف ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔

---

[1] مسلم شریف۔

یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کہ آسمان والوں سے ہو چکے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی بشارت اسم احمد سے دی ہے اور اس اسم مبارک کو ذات اقدس جل شانہٗ کے ساتھ بہت تقرب ہے اور دوسرے اسم (محمدؐ) سے ایک منزل اللہ تعالیٰ کی ذات سے زیادہ قریب ہے جیسا کہ ظاہر ہو چکا ہے اور یہ اسم۔ اسم مبارک احمد سے ایک حلقۂ میم سے جدا ہوا ہے کہ وہ مبدا محبت ہے جو کہ ظہور و اظہار کا سبب ہوا ہے

اور پھر یہ بھی ہے کہ میم جو کہ احمد میں مندرج ہے وہ قرآن مجید کے حروف مقطعات میں سے جو کہ سورتوں کے اوائل میں نازل ہوا ہے اور بڑے دقیق اسرار میں سے ہے اور اس مبارک حرف میم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاص خصوصیت ہے جو کہ اس کی محبوبیت کا سبب ہوا ہے اور اس کو تمام سے بلندی دی ہے۔

اب ہم اصل بات پر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دائرہ کا محیط جو کہ محبوبیت سے عبارت ہے اور جو محبت سے ملا ہوا ہے تو وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کے افراد میں سے کسی فرد کی ولایت کا منشا ہے جو ولایت محمدی مرکزی کے حصول کے باوجود محیط دائرہ سے مناسبت رکھتا ہے اور اس کے کمالات کو بھی حاصل کیا ہے اور معلوم ہوا کہ دولت ثانی اس کو ولایت موسوی سے حاصل ہوئی ہے اور وہ ان دو عظیم ولایتوں کی طفیل سے مرکز و محیط کے کمالات کا جامع ہوا ہے اور یہ تو طے شدہ بات ہے کہ ہر وہ کمال جو امت کو میسر آتا ہے وہ کمال اس امت کے نبی کو بھی حاصل ہے۔ بحکم مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً (جو اچھا طریقہ نکالے) پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی اس فرد کے[1]

[1] کچھ لوگ غلط فہمی اور کچھ تعصب کی بنا پر حضرت امام ربانی رضی اللہ عنہ کے مکتوبات قدسیہ کی بعض عبارات پر اعتراض و طعن کی زبان دراز کر کے بے ادبی کے مرتکب ہوتے ہیں اور ایک گروہ کھل کر تنقید کرتا ہوا نظر آتا ہے حالانکہ خود امام ربانی قدس سرہٗ نے مکتوبات شریف میں نافہم لوگوں کے اعتراضات کے شافی جواب دیئے ہیں۔ اس کے بعد کسی اور جواب کی ضرورت باقی نہیں تھی اس کا وجود مزید تسکین و تشفی کے لئے آپ کے صاحبزادے شاہ محمد یحییٰ اور آپ کے نبیرگان حضرت محمد فرخ حضرت عبداللہ مرزا محمد بیگ بدخشانی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی وغیرہم رحمہم اللہ تعالےٰ نے بھی شافی جوابات دیئے ہیں اور اعتراضات کی تردید کی ہے

آپ پر کئے جانے والے اعتراضات میں سے ایک اعتراض آپ کی اس عبارت پر کیا جاتا ہے

"پس آں سرور را علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام بتوسط آن فرد کمالات آں دائرہ نیز میسر شد ولایت خلقت و حقی او علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نیز تمام گشت"

حالانکہ آپ کی کسی عبارت سے ظاہر نہیں ہوتا کہ اس فرد سے آپ نے اپنی ذات مراد لی ہے اور اگر علی سبیل التنزل "آن فرد" سے شیخ مجدد علیہ الرحمۃ ہی مراد ہوں تو بھی اعتراض اور شبے کی کوئی گنجائش نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

ذریعہ سے اس دائرہ کے محیط کے کمالات حاصل ہوئے اور ولایت خُلّت بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے پوری ہوگئی اور دُعا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ	اے اللہ حضرت محمد پر بھی اسی طرح رحمت فرما جیسی تُونے ابراہیم پر رحمت کی۔

ایک ہزار سال کے بعد قبول اور مستجاب ہوگی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ولایت خُلّت پُورا ہونے کے بعد اس ستر اور نشاۃ سے کاروبار ہے جو کہ مرکز میں ودیعت کئے ہیں اور ان کی تعبیر ملاحت سے ہوتی ہے اور اس فرد کو امت کی پاسبانی اور حفاظت کے لئے اس قیام سے واپس کیا اور خود غیب الغیب کے خلوت خانہ میں محبوب کے ساتھ خلوت اختیار کرلی۔ شعر ؎

هَنِیْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِیْمِ نَعِیْمُهَا ۔۔۔ وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْکِیْنِ مَا یَتَجَرَّعُ

لے نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مُبارک ہوں عاشق مسکین کے لئے تو وہی ہے جو وہ گھونٹ پیتا ہے۔

بقیہ صفحہ :۔ فرمایا ہے زمین کے خزانوں کی چابیاں مجھے عنایت کردی گئی ہیں۔ حالانکہ زمین کے وہ خزانے اور ملک پر تسلط حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال مبارک کے بعد خلفاء راشدین اور سلاطین اسلام کے توسط سے ہوا۔ اور ہوتا رہے گا۔ ظاہر ہے کہ ممالک پر تسلط و قبضہ، مدافعت کفار کی خاطر جنگیں جو غلبہ اسلام و ایمان کا موجب ہیں۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے حصول ثواب کا ذریعہ ہیں کیونکہ آپ نے ہی ایسا کرنے کا حکم دیا ہے اور حکم دینے والا اور اس کے مطابق عمل کرنے والا دونوں کیسی شریک ہیں اور یہ ثواب اور حصول درجات اگرچہ خلفاء راشدین اور سلاطین اسلام کے واسطہ سے ہے، نیز حضور کے لئے بعد از انتقال بھی ترقی درجات ثابت ہے۔ کیونکہ قیامت تک آپ کی اُمت جو بھی نیک کام بجالائے گی۔ الدال علی الخیر۔

کفاعلہ کے مطابق ان کا ثواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی یقیناً پہنچتا ہے اور اسی طرح امت کے اعمال صالحہ کے واسطہ سے ہر گھڑی آپ کے درجات بلند ہوتے رہتے اور کمالات میں اضافہ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آپ کو کمالات و درجات میں جو بلندی امت کے اعمال صالحہ کے واسطہ سے ہوتی ہے وہ پہلے سے حاصل نہیں۔ تو اگر مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ آشکار فرمادیں کہ کچھ کمالات آپ کو اس فرد کے توسط سے حاصل ہوتے تو اس پر اعتراض کی کیا گنجائش ہے قرآن حکیم میں ہے هو الذی ایدك بنصره و بالمومنین ، اللہ وہ ذات ہے جس نے اے نبی تجھے اپنی مدد اور ایمان والوں کے ساتھ قوت دی۔ پھر مسلم شریف کی اس حدیث کے الفاظ پر بھی غور فرمائیں۔

قال صلے اللہ علیہ وسلم ثم سلوا اللہ لی الوسیلۃ فانہا منزلۃ فی الجنۃ لا ینبغی الا لعبد من عباد اللہ وارجوان اکون انا ہو فمن سال لی الوسیلۃ حلت علیہ الشفاعۃ	رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر میرے لئے اللہ سے وسیلہ مانگو بیشک وہ جنت میں ایک مرتبہ ہے جو اللہ کے خاص بندوں میں سے کسی بندے کے لائق ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں تو جو شخص میرے لئے وسیلے کی دُعا کرے گا اس پر شفاعت حلال ہوگئی۔

اس حدیث میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت سے فرمایا کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے مقام وسیلہ مانگو، اور میرا جو اشتی ایسا کرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا۔ پھر اسی مکتوب میں تنبیہ کے عنوان کے تحت آپ نے متعدد دلائل سے اس اعتراض کا

شافی جواب دے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاندین اور غلط فہمی کے شکار لوگوں کو ہدایت کی توفیق دے۔

جاننا چاہیئے کہ مرکز ثالث کا محیط اگرچہ تعین اول کے مرکز کے محیط کی نسبت چھوٹا نظر آتا ہے لیکن وہ سب سے زیادہ جامع ہے کیونکہ جو چیز بھی اللہ تعالےٰ کے زیادہ قریب ہے وہ زیادہ جامع ہے تو اس کے چھوٹا ہونے کو انسان کے چھوٹا ہونے کی طرح سمجھنا چاہیئے کہ باوجود چھوٹا ہونے کے عالم کی تمام اقسام میں سے زیادہ جامع ہے اور یہ بھی ہے کہ وہ شخص جو اس محیط کے کمالات سے متصف ہوا ہے اور مرکز کے اجمال سے محیط کی تفصیل میں آیا ہے اب وہ بے مناسبتی جو محیط اور تفصیل سے رکھتا تھا زائل ہو گئی اور بے تکلف اجمال سے تفصیل میں چلا گیا اور اس تفصیل کے کمالات سے بھی متصف ہوا۔

سُن! باوجود کمال اقتدار کے چونکہ نظام عالم کو حکمت سے وابستہ کیا ہے لہٰذا مبادیوں کی تربیت میں بھی اسباب کے وجود سے چارہ نہیں ہوتا اگرچہ اسباب کا وجود بہانہ سے زیادہ نہیں ہوتا اور قدرت کے پردہ سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ	یہی اللہ تعالےٰ کا طریقہ ہے جو پہلے سے آرہا ہے
تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا	اور تو اللہ تعالےٰ کے طریقہ میں کوئی تبدیلی نہ پائیگا۔

تنبیہ:- نبی اگرچہ بعض کمالات کو اپنے افراد امت میں سے کسی فرد کے ذریعہ حاصل کرتا ہے اور اس کے وسیلہ سے بعض مقامات پر پہنچتا ہے لیکن اس طرح سے نبی پر کوئی نقص لازم نہیں آتا اور اس فرد کو اس وسیلہ بننے سے نبی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوتی کیونکہ اس فرد نے اس کمال کو اس نبی ہی سے حاصل کیا ہے اور اسی کے طفیل سے اس دولت تک پہنچا ہے پس حقیقت میں وہ کمال اسی نبی کی ملکیت ہے اور اسی کی متابعت کا نتیجہ ہے اور وہ فرد اس کا خادم ہونے سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ اس نے اسی کے خزانوں سے خرچ کیا ہے اور خوشنما لباس اور قیمتی فرش تیار کر کے لایا ہے جو کہ مخدوم کے حسن وجمال میں مزید اضافہ کا باعث ہیں اور اس کی عظمت و کبریائی بڑھاتا ہے اس جگہ مخدوم کا نقص کیا ہے اور خادم کو کونسی فضیلت ہے۔ اپنے برابر والوں سے امداد و اعانت حاصل کرنا نقص ہے۔ اور جو امداد و اعانت خادموں اور غلاموں سے واقع ہو وہ عین کمال ہے اور جاہ و جلال میں زیادتی کا باعث ہے کوئی بے وقوف ہی ہوگا جو ایک کو دوسرے کے ساتھ خلط ملط کرے اور نقص کے وہم میں پڑے بادشاہ اپنے خادموں اور نوکروں کے ذریعہ ملک حاصل کرتے ہیں اور کئی قلعے فتح کرتے ہیں اور اس امداد سے سوائے بادشاہوں کی عظمت و بزرگی کے اور کوئی چیز معلوم نہیں ہوتی اور اس سے خادموں اور نوکروں کی عزت و شرف بھی ظاہر ہوتا ہے۔

امتیں اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خادم اور غلام ہیں اگر ان سے ان بزرگواروں کو امداد پہنچے تو

لے سورۃ فتح پارہ ۲۶ ۱۲

نقص کا خیال کرنے کا کونسا مقام ہے ؟ اور وہ جو کہتے ہیں کہ ان بزرگواروں کو امداد کی بالکل حاجت نہیں ہے اور کمال کے تمام مراتب بالفعل ان کو حاصل ہیں۔ یہ صرف فضول جھگڑا ہے۔ کیونکہ یہ بزرگوار بھی خداتعالےٰ کے بندے ہیں اور ہمیشہ اس کے فضل و فیض و برکات کے اُمیدوار ہیں اور ہمیشہ ترقی کے خواہشمند ہیں۔ حدیث میں آیا ہے۔

مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاہُ فَھُوَ مَغْبُوْنٌ [1] جس کے دونوں دن برابر ہوں وہ خسارے میں ہے۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو فرمایا ہے سَلُوْا لِیَ الْوَسِیْلَۃَ [2] (میرے لئے مقام وسیلہ کا سوال کیا کرو)

اور یہ بھی صحیح حدیثوں میں آیا ہے۔ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْتَفْتِحُ [3] بِصَعَالِیْکِ الْمُھَاجِرِیْنَ (کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم غریب مہاجرین کے وسیلے سے فتح کی دُعا مانگا کرتے تھے)

یہ سب کچھ امداد و اعانت کی طلب ہے۔ وہ لوگ جو امتوں کی امداد و اعانت کو ان بزرگواروں کے حق میں جائز نہیں سمجھتے اور ان بزرگواروں کو ان کی امداد کا محتاج نہیں جانتے ان کی نگاہ انبیاء علیہم الصلوات و التسلیمات کی بزرگی پر پڑی ہے اور ان کی نگاہ میں ان کی بلندی درجات ہے۔ اس کے باوجود اگر ان کی نظر ان بزرگواروں کی عبودیت پر بھی پڑتی اور ان کی محتاجی جو ان کو اپنے خداوند تعالےٰ سے ہے ان کو معلوم ہو جاتی تو وہ امتوں کی امداد سے انکار نہ کرتے اور ان کے غلاموں اور خادموں کی مدد کو بعید نہ سمجھتے۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں بخش دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ والصلوٰۃ والسلام علی نبینا و علی جمیع الانبیاء و علی الملائکۃ الکرام العظام۔

مکتوب نمبر ۹۵

مولانا صالح کولابی کی طرف صادر فرمایا

(ان اسرار کے بیان میں جو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی ولایت سے مخصوص ہیں)

اس فقیر کی ولایت اگرچہ ولایت محمدی اور ولایت موسوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی پروردہ ہے اور ان دو اکابر علیہما الصلوٰۃ والسلام کی طفیل نسبت محبوبی و نسبت محبی سے مرکب ہے کہ محبوبین کے رئیس

---

[1] دیلمی شریف بروایت علی رضی اللہ عنہ [2] مسلم شریف۔ مشکوٰۃ
[3] مشکوٰۃ بروایت امیہ بن خالد بن عبداللہ بن اسید

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور محبین کے سردار حضرت کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں لیکن حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم وعلی آل کل الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے وسیلہ سے میری ولایت کا کاروبار ہی دوسرا ہے اور اس سے علیحدہ معاملہ وابستہ ہے اگرچہ اس ولایت کا اصل اپنے پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت ہے جو کہ ولایت محمدی ہے کہ اس کا اصل منشا خالص محبوبیت کی نسبت ہے لیکن چونکہ اس میں ولایت موسوی کی کیفیت بھی ہے جو کہ اصل میں خالص محبیت سے پیدا ہوئی ہے اور اس ولایت سے مل گئی ہے اور اس کے رنگ میں بھی رنگین ہے اس نے ایک دوسری ہئیت پیدا کرلی ہے بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایک دوسری حقیقت بن چکی ہے اور اس نے اور طرح کا پھل دیا ہے اور دوسرا نتیجہ پیدا کیا ہے۔ کسی نے کیا ہی اچھا کہا ہے ؎

از آں افیوں کہ ساقی درمے افگند ... حریفاں را نہ سر ماند نہ دستار[1]

اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

فصل بالخیر

اگر اس کاروبار کا تھوڑا سا حصہ بھی جو اس ولایت سے وابستہ ہے ظاہر کروں یا ان معاملات کی طرف اشارہ کروں جو ان دو ولایتوں سے وابستہ ہیں تو گلا کاٹ دیا جائے اور حلقوم کو ذبح کر دیا جائے جبکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ بعض علوم کے اظہار میں جو انہوں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کئے تھے قُطِعَ الْبُلْعُوْمُ (حلق کاٹ دیا جائے) کہتے ہیں تو دوسروں کی کیا حیثیت ہے۔ خدا تعالےٰ کے نہایت گہرے اسرار ہیں جو وہ اپنے خاص الخاص بندوں پر ظاہر کرتا ہے اور کسی نامحرم کو اس کے گرد نہیں چھوڑا جاتا۔ حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات نے جو کہ جہان والوں کے لئے سراسر رحمت ہیں، اپنی کمال معرفت سے اور جوش قدرت سے ان اسرار کو حضرت ابوہریرہ وغیرہ پر ظاہر فرمایا اور سننے والوں کی تاب کو جانا تو ان چھپے ہوئے موتیوں کو ان پر نچھاور کیا اور میرے جیسا مفلس اور بے بضاعت آدمی ان اسرار کے ظاہر اور یاد کرنے سے ہراساں اور لرزاں ہے اور اس خرابی و آوارگی کے باوجود ان بلند مطالب سے کسی چیز کی کوئی مناسبت نہیں دیکھتا لیکن اتنا جانتا ہوں مصرع

با کریماں کارہا دشوار نیست[2]

---

[1] اس افیون سے جو ساقی نے شراب میں شامل کر دی ہے میخواروں کے نہ ہوش ٹھکانے رہے نہ پگڑی۔ [2] کریموں کیلئے کوئی کام مشکل نہیں

ہاں خداوند تعالیٰ ایسا ہی چاہیئے اور خدا تعالیٰ کا کرم و بخشش بھی اسی طرح کا ہونا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ نے ہم پر کرم کوئی آج سے نہیں ہے۔ اس نے ہماری مشتِ خاک کو زمین سے اٹھایا اور اپنا خلیفہ بنا دیا اور اپنی نیابت میں ہر چیز کا قیوم (قائم رکھنے والا) گردانا اور بلا واسطہ علم اشیاء کے ناموں کی اس کو تعلیم دی اور فرشتوں کو جو اس کے برگزیدہ بندے ہیں اس کا شاگرد بنایا اور فرشتوں کو اس بزرگی کے باوجود اس کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ اور ابلیس کو جو معلم ملکوت (فرشتوں کا استاد) کے لقب سے ملقب تھا اور اطاعت و عبادت میں ایک شان عظیم رکھتا تھا اس نے جب آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور اس کی توقیر و تعظیم نہ کی تو اس کو اپنی بلند بارگاہ سے ملعون قرار دے کر ہانک دیا اور اس پر ملامت اور طعنہ کیا اور اس مشتِ خاک کو ایسی قدرت و ہمت بخشی کہ اس نے امانت کے بوجھ کو اٹھا لیا وہ امانت جس کو اٹھانے سے آسمان اور زمین اور پہاڑ کانپ اٹھے اور انکار کر دیا اور پھر اس کو ایسی قوت عطا فرمائی کہ اس قوت سے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے کی رویت کی قابلیت پیدا کی جو کہ بے چون و بے چگون ہے حالانکہ یہ خود باچون اور باچگون ہے اور کیفیت یہ ہے کہ پہاڑ اس سختی کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ایک تجلی سے پارہ پارہ ہو گیا اور خاک سیاہ ہو گیا وہ قدیم الاحسان اور ارحم الراحمین خدا طاقت رکھتا ہے کہ مجھ جیسے عاجز آدمی کو سابقین کے درجات تک پہنچانے اور ان کی طفیل ان کی دولت میں شریک کرے ؎

اگر بادشاہ بر درِ پیر زن بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن[1]

تنبیہ:۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہمیشہ اپنی تسبیح و تقدیس پر ہے اور صفات حدوث اور نشانات نقص سے منزہ اور پاک ہے تغیر اور تبدل کو اس کی بارگاہ میں رسائی نہیں ہے اور اتصال و انفصال کی اس درگاہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے وہاں کسی میں حلول کرنے اور کسی کے اس میں حلول کرنے کو جائز سمجھنا کفر ہے اور اتحاد و عینیت کا حکم لگانا عین الحاد اور زندقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے جتنا بھی اس بارگاہ میں قرب اور وصل پیدا کریں وہ جسم کے جسم سے قرب کے قبیل سے نہیں ہے اور نہ وہ جوہر سے عرض کے اتصال کی طرح ہے۔ اس جگہ اگر قرب ہے تو بے چون ہے اور اگر وصل ہے تو وہ بھی بے چون۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان بزرگواروں کا تمام کاروبار بے چونی کے عالم سے ہے اور عالم چون عالم بے چون کی نسبت وہی حکم رکھتا ہے جو دریائے محیط کے مقابل ایک قطرہ کہ وہ ممکن ہے اور یہ واجب تعالیٰ۔

اور یہ بھی ہے کہ عالم چون زمان و مکان کی تنگی میں ثابت ہے اور عالم بے چون اس تنگی سے آزاد ہے اور زمان و مکان سے گذر چکا ہے ہاں عبارت اور تعبیر کا میدان اس عالم میں بڑا وسیع ہے اور اس

---

[1] اگر بادشاہ کسی بوڑھی عورت کے دروازہ پر آجائے تو اے خواجہ تو اپنی مونچھوں کو نہ اکھاڑ۔ ۱۲

عالم میں تنگ و تاریک ہے کیونکہ وہ عبارات سے بلند ہے اور اشارات سے دُور ہے۔ ارحم الراحمین نے اپنے خاص بندوں کو بے چونی سے حصّہ دیا ہے اور عالمِ بے چون میں ان کو دخل دیا ہے اور بے چونی کے معاملات سے مشرف کیا ہے۔

اگر بالفرض اس بے چونی کی تعبیر چون میں سے کریں تو اس سے بہت دُور ہے کہ نابالغ لڑکوں کے سامنے جماع کی لذت کو قند اور شکر کی لذت سے تعبیر کریں کہ یہ دونوں لذتیں تو ایک عالمِ چون سے ہیں اور وہ تعبیر اور مُعبّر دو الگ الگ عالموں سے ہیں اور مجبوراً جب کوئی بے چون کی تعبیر چون سے کرے گا، اور بے چون پر چون کے احکام جاری کرے گا تو وہ محلِ طعن و الزام ہوگا اور اُسے زندیق اور ملحد کہیں گے پس ان اسرار کی دقت اور پوشیدگی عبارت اور تعبیر کی وجہ سے ہے نہ کہ تحقیق و وصول کی راہ سے کیونکہ ان اسرار سے متصف ہونا کمال ایمان ہے اور اس بے چون کو چون کی عبارت سے تعبیر کرنا عین کفر والحاد ہے مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ کَلَّ لِسَانُہٗ (جس نے اللہ کو پہچان لیا اس کی زبان گنگ ہوگئی) کو اس جگہ دیکھنا چاہیئے اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر دے اور ہمیں بخش دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ الحمد للہ اوّلاً و آخراً والصلوٰۃ علی رسولہٖ دائماً و سرمداً۔

مکتوب نمبر ۹۶

فقیر ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا

(ان اسرار کے بیان میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ناموں محمدؐ اور احمدؐ سے متعلق ہیں)

ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دو ناموں سے موسوم ہیں اور دونوں اسم مبارک قرآن مجید میں لکھے ہوئے ہیں فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (محمد اللہ کے رسول ہیں) اور عیسٰی روح اللہ کی بشارت کی حکایت کرتے ہوئے فرمایا اِسْمُہٗ اَحْمَدُ (اس کا نام احمد ہوگا) اور ان دونوں مبارک ناموں کی ولایت علیحدہ ہے ولایت محمدی اگرچہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کے مقام سے پیدا ہوئی ہے لیکن اس جگہ خالص محبوبیت ثابت نہیں ہے بلکہ اس میں محبیت کی کیفیت کی آمیزش بھی ہے اگرچہ وہ آمیزش اس کے اصل میں ثابت نہیں ہے لیکن محبوبیت خالص کے مقام سے مانع ہے اور ولایت احمدی خالص محبوبیت سے پیدا ہوئی ہے جس میں محبیت کا شائبہ تک نہیں ہے اور یہ ولایت پہلی ولایت سے بلند تر ہے اور ایک منزل مطلوب سے نزدیک تر ہے اور محب کو زیادہ مرغوب ہے کیونکہ محبوب جتنا بھی محبوبیت میں مکمل ہوگا

اس کی بے نیازی اور استغنا بھی کامل تر ہوگا اور محب کی نگاہ میں زیادہ خوبصورت اور زیباتر ہوگا اور محب کو اپنی طرف زیادہ کھینچے گا اور اسے زیادہ سرگشتہ اور شیفتہ بنا دے گا ؎

نہ تنہا آفتم زیبائی اوست[1] بلائے من ز ناپروائی اوست

بلا سے مراد عشق کا حد سے گذرنا ہے جو کہ عاشق کو مطلوب ہے۔ سبحان اللہ! احمد عجیب مبارک نام ہے جو کہ کلمۂ مقدسہ اَحَد سے مرکب ہے اور حرف میم کے حلقہ سے جو کہ اللہ تعالیٰ کے عالم بےچون میں پوشیدہ اسرار میں سے ہے اور اس کی گنجائش نہیں رکھتا کہ عالم چون میں اس پوشیدہ راز کو حلقہ میم کے بغیر تعبیر کیا جا سکے۔ اور اگر اس کی گنجائش ہوتی تو اللہ تبارک و تعالیٰ اسی سے تعبیر فرماتے اور اَحَد اَحَد ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور حلقۂ میم طوق عبودیت ہے کہ جس نے بندہ کو مولا سے الگ کیا ہے پس بندہ وہی میم کا حلقہ ہے اور لفظ اَحَد اس کی تعظیم کے لئے آیا اور اس کے اختصاص کا اظہار کیا ہے ؎

چوں نام ایں است نام آور چہ باشد[2]

ہزار سال کے بعد کہ اکو امور عظام کے تغیر میں ایک تاثیر ودیعت کی ہے اُس ولایت کا معاملہ اس ولایت تک کھینچا اور ولایت محمدی ولایت احمدی پر منتہی ہوئی۔ اور کاروبار عبودیت کے دو طوق سے ایک طوق تک پہنچا اور پہلے طوق کی جگہ حرف الف جو کہ اس کے رب سے اشارہ ہے متمکن ہوا جہاں تک کہ محمد احمد ہوا۔ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام۔ اس کا بیان یہ ہے کہ عبودیت کے دو طوق میم کے دو حلقوں سے عبارت ہیں کہ جو اسم مبارک محمد میں مندرج ہیں ہو سکتا ہے کہ وہ دو طوق ان کے دو تعین کی طرف اشارہ ہو صلے اللہ علیہ وسلم۔ ان دو تعین میں سے ایک تعین بشری ہے اور دوسرا تعین روحی ملکی اور تعین جسدی میں اگرچہ موت آجانے کی وجہ سے سستی و نقص آجاتا ہے اور تعین روحی نے اور قوت حاصل کر لی لیکن اس تعین کا اثر باقی رہا تھا ہزار سال چاہیئے تھا کہ اس کا اثر بھی زائل ہو اور اس تعین کا کوئی نشان نہ رہے اور جب ہزار سال ختم ہوا اور اس تعین کا اکثر حصہ نہ رہا اور ان دو طوق میں سے ایک طوق عبودیت کھینچ لیا گیا اور جس پر فنا اور زوال طاری ہوا اور الف الوہیت کہ اس کو بقا باللہ کے رنگ میں کہا جا سکتا ہے اس کی جگہ بیٹھا تو لازماً مُحَمَّد اَحَمد ہوا اور ولایت محمدی نے ولایت احمدی میں انتقال فرمایا پس محمد دو تعین سے عبارت ہے اور احمد ایک تعین سے کنایہ ہے اور بس۔ پس یہ نام حضرت حق سے زیادہ قریب ہوگا اور عالم سے دُور تر ہوگا۔

---

[1] اس کی خوبصورتی ہی میرے لئے اکیلی آفت نہیں ہے بلکہ میرا فتنہ تو اس کی بے پروائی بھی ہے ۱۲

[2] جب نام ایسا ہے تو جس کا نام ہے وہ کیسا ہوگا۔ ۱۲

سوال:۔ فناو بقا جو مشائخ نے قرار دی ہے اور ولایت کو اس سے وابستہ کیا ہے اس کا کیا مطلب ہے اور یہ فنا و بقا جو تعیین محمدیؐ میں کہی جاتی ہے اس کا کیا معنی ہے؟

جواب:۔ وہ فناو بقا جس کے ساتھ ولایت وابستہ ہے فناو بقا شہودی ہے اگر فناو زوال ہے تو باعتبار نظر ہے اور اگر بقاو ثبات ہے تو بھی باعتبار نظر ہے اس جگہ صفات بشری پوشیدہ ہو جاتی ہیں نہ کہ زائل، اور اس تعیین کا فنا اس طرح نہیں ہے بلکہ اس جگہ صفات بشری کو زوال وجودی ثابت ہے اور تعیین جسدی کا پراگندہ ہونا اور تعیین روحی کا ثابت ہونا ہے اور اس جگہ جانب بقا میں بھی اگرچہ بندہ لمؐ نہیں بن جاتا اور بندگی سے باہر نہیں آجاتا لیکن اللہ تعالٰے سے نزدیک تر ہو جاتا ہے اور معیت زیادہ پیدا کر لیتا ہے اور اپنے آپ سے دُور ہو جاتا ہے اور اس سے احکام بشری مسلوب ہو جاتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ یہ عروج محمدی جو کہ صفات بشری کی نفی سے وابستہ ہے اگرچہ ان کے کاروبار کو بلند تر لے گیا اور ان کو بلند چوٹی پر پہنچا دیا۔ اور ان کو غیر اور غیریت کی کشاکش سے آزاد کر دیا صلے اللہ علیہ وسلم، لیکن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا معاملہ زیادہ تنگ ہو گیا اور آپ کا نور ہدایت جو کہ بشریت کی وجہ سے تھا وہ بہت کم ہو گیا اور وہ توجہ جو ان عاجز لوگوں کے حال پر تھی وہ کم ہو گئی اور آپ پوری طرح قبلہ حقیقی کی طرف متوجہ ہو گئے۔

اس رعایا پر افسوس کہ جس کا بادشاہ اس کے حال میں مشغول نہ ہو اور کلی طور پر اپنے محبُوب کی طرف متوجہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہزار سال کے بعد کفر اور بدعت کے اندھیرے غالب آچکے ہیں اور سنت و اسلام کا نور کم ہو چکا ہے۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں بخشش دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

مکتوب نمبر ۹۷

صُوفی قربان جدید کی طرف صادر فرمایا

(عالم کے موہوم ہونے کے راز کے بیان میں)

صوفیا نے جو عالم کو موہوم کہا ہے تو وہ اس معنی سے نہیں ہے کہ عالم محض وہم کی اختراع و پیداوار ہے کہ وہ بے وقوف سوفسطائی کا مذہب ہے بلکہ اس معنی سے موہوم ہے کہ خداوند تعالٰے کی پیدائش سے وہ مرتبہ وہم میں پیدا ہوا ہے اور اس مرتبہ میں اللہ تعالٰے کی صنعت سے اس لئے ثبوت اور استقرار پیدا کیا ہے لیکن وہ خیر و کمال جو اس میں ثابت ہے وہ حضرت وجود تعالٰے و تقدس کے مرتبہ سے مستعار ہے اور اس

مرتبۂ مقدسہ کے کمالات کے ظلال میں سے ایک ظل ہے، اور اس میں جو شر و نقص ہے وہ عدم سے مستعار ہے اور وہ عدم کے شرور و نقائص جو کہ اس میں ودیعت کئے گئے ہیں کہ وہ ہر شر و نقص کا منشا ہے کے ظلال میں سے ایک ظل ہے اور جب سالک مستعد خداوند تعالےٰ کی تربیت کی وجہ سے ان امانتوں کو پورے طور پر ادا کرتا ہے خیر و کمال کو اس کے اہل کے سپرد کر دیتا ہے اور شر و نقص کو اس کے اہل کے حوالہ کر دیتا ہے تو لازماً وہ فنا کی دولت سے متحقق ہو جاتا ہے اور اس کا اپنا کوئی نام و نشان نہیں رہتا نہ خیر کا اس میں کوئی اثر ہوتا ہے اور نہ شر سے اس کو کسی ضرر کا احتمال رہتا ہے کیونکہ جو کچھ بھی وہ رکھتا تھا خیر یا شر وہ سب وجود و عدم سے مستعار تھا وہ اپنے باپ کے گھر سے کوئی چیز نہیں لایا ہے اس میں کوئی جز اس کے سوا نہیں تھا کہ وہ ایک امانت دار تھا اور جب وہ امانتوں کو ان امانات کے اہل کی طرف واپس کر دیتا ہے تو لازمی طور پر خودی اور انانیت کی زحمت سے خلاص ہو جاتا ہے اور فنا و نیستی سے ملحق ہو جاتا ہے ۔

مکتوب نمبر ۹۸

حاجی عبد اللطیف خوارزمی کی طرف صادر فرمایا

(حُسنِ صوری سے زیادہ لذت حاصل کرنے کے راز کے بیان میں)

خیر و کمال اور حُسن و جمال جس جگہ بھی ہے وُہ وجود کا اثر ہے جو خیرِ محض ہے اور واجب الوجود جل سلطانہٗ کے ساتھ خاص ہے ممکن میں جس طرح وجود اللہ تعالےٰ کی بارگاہ سے بطور ظلیت منعکس ہُوا ہے حُسن و جمال بھی اسی مرتبۂ مقدسہ سے بطریق ظل آیا ہے ممکن ذاتی جو اپنے ذاتی عدم کی وجہ سے جو کہ محض شر ہے سراپا قبح و نقص ہے لیکن یہ حُسن و جمال جو ممکن میں مشہود ہے اگرچہ وجود کی طرف سے آیا ہے لیکن چونکہ وہ عدم کے آئینہ میں ظاہر ہُوا ہے اس نے آئینے کا حکم حاصل کر لیا اور قبح سے حصہ لیا اور نقص پیدا کیا اور ممکن چونکہ ذاتی قبح رکھتا ہے تو اس قدر حظ و لذت جو وہ اس حُسن سے حاصل کرتا ہے اُس حسن خالص سے جو کہ اس حُسن کا مبدأ ہے حاصل نہیں کرتا کیونکہ اس کی مناسبت اِس حُسن سے زیادہ ہے بہ نسبت اُس حُسن کے ۔

خاکروب کو مناسبت کی وجہ سے جتنی لذت گندی بُو سے حاصل ہوتی ہے اچھی بو سے حاصل نہیں ہوتی۔ مشہور قصہ ہے کہ ایک خاکروب عطاروں کے محلے سے گذرا وہ خوشبو کی کثرت کی وجہ سے بیمار ہو گیا اور بیہوش ہو کر گر پڑا ایک بزرگ اس راہ سے گذر رہے تھے جب وہ اس کے معاملہ پر مطلع ہوئے تو فرمایا کہ اس کے ناک کے پاس نجاست لا کر رکھ دو کہ اس کی بدبو سے یہ تندرست ہو کر ہوش میں آ جائے گا چنانچہ انہوں نے لیا

ہی کیا تو وہ جوش میں آگیا۔

مکتوب نمبر ۹۹

جناب سیادت مآب وارشاد وپناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى. مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ۔ جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے خدا کا شکریہ بھی ادا نہ کیا۔

علماء ومشائخ ماوراء النہر شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے حقوق ہم عاجز اور دور افتادہ لوگوں پر بلکہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں پر اتنے نہیں ہیں جو تقریر اور تحریر میں آسکیں۔ اعتقاد کی درستی اہل سنت وجماعت کثرہم اللہ سبحانہ فی الاعصار کی صائب رائے کے مطابق ان بزرگواروں کی تحقیقات سے ہم نے حاصل کی ہے اور عمل کی صحت بھی بموجب مذہب علماء حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم انہی کی تدقیقات سے حاصل کی ہے اور طریقہ علیہ صوفیہ قدس اللہ اسرارہم کا سلوک بھی ہندوستان کے علاقہ میں اسی بزرگ زمین کی برکات سے مستفاد ہے اور مقام جذبہ وسلوک وفنا وبقا وسیر الی اللہ وسیر فی اللہ جو کہ مرتبہ ولایت خاصہ سے وابستہ ہے کی تحقیق بھی اسی علاقہ کے اکابرین کے فیوض سے ہم پر انڈیلی گئی ہے۔

مختصر یہ کہ اگر ظاہر ہے تو اس کی اصلاح بھی وہیں سے ہوتی ہے اور اگر باطن ہے تو فلاح اسی جگہ سے حاصل کی ہے ؎

شکر فیض تو چمن چوں کند اے ابر بہار ۔۔۔ کہ اگر خار واگر گل ہمہ پروردہ تست[1]

اللہ تعالیٰ اس علاقہ اور اس کے رہنے والوں کو بطفیل سید السادات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آفات ومصائب سے محفوظ رکھے۔

اس کے باوجود وہ دوست جو اپنی ضروریات کے لئے اس بلند علاقہ (توران) سے نچلے علاقہ (ہندوستان) میں آتے ہیں وہ اس علاقہ کے ذوی البرکات حضرات کی مہربانیوں خصوصاً ارشاد وہدایت پناہ افادہ واضافہ دستگاہ سلمہ اللہ تعالیٰ کی بہ نسبت اس حقیر کے نوازشوں کا تذکرہ کرتے ہیں کہ ان عالی جناب نجابت آیات کو آپ کے متعلق حسن ظن ہے اور آپ کے بعض علوم ومعارف کو جو آپ نے لکھے تھے مطالعہ فرمایا ہے اور پسند کیا ہے۔ بزرگوں سے اس قسم کی بشارتیں زیادہ امیدواری کا باعث ہوتی ہیں اور بعض

---

[1] اے ابر بہار! باغ تیرے فیض کا شکریہ کس طرح ادا کر سکتا ہے کہ اگر کانٹے ہیں یا پھول ہیں تو وہ سب تیرے ہی پروردہ ہیں۔

اذواق و مواجید کی تحریر پر دلیر کرتی ہیں

اور جب ان دونوں شیخ ابو المکارم صوفی نئے نئے آئے ہیں تو انہوں نے مجھ پر ان کی مہربانیوں کا اظہار فرمایا ہے تو مجبوراً ان کے کرم پر اعتماد کرتے ہوئے چند کلمات کے پڑھنے کی تکلیف دی ہے اور اپنے آپ کو ان کی یاد میں دے دیا ہے۔ چونکہ اس فقیر کے بعض مسودات کی نقول بھائی خواجہ محمد ہاشم کشمی نے جو کہ مخلص دوستوں میں سے ہیں صوفی مشار الیہ کے ہمراہ بھیجی ہیں تو انہی پر اکتفا کرتے ہوئے اس طائفہ علیہ کے علوم و معارف سے کوئی منقولہ اس خط میں درج نہیں فرمایا ہے۔ آپ حضرت کی عنایات و مہربانیوں سے امید ہے کہ قبولیت کے اوقات میں دعائے خیر اور فاتحہ سلامتی خاتمہ سے فراموش نہ کریں گے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔

اس حقیر کی فقیرانہ دعاؤں کو حضرات عالی درجات نقابت و نجابت پناہ اہل اللہ کے ملجا و ماویٰ سید میرک شاہ اور جناب افادہ دستگاہ علامتہ الورٰی مولانا حسن اور جناب ناصر الشریعۃ حافظ الملۃ قاضی تولک ادام اللہ تعالٰی بر کاتہم کی خدمت میں پہنچا دیں اور مخدوم زادگان گرامی کی خدمت میں فقیر زادے بھی دعائی درخواست اور فاتحہ کی التماس کرتے ہیں۔

مکتوب نمبر ۱۰۰

شیخ نور الحق کی طرف صادر فرمایا

(حضرت یعقوب علیہ السلام کی حضرت یوسف علیہ السلام سے گرفتاری کا راز بیان کرنے اور بعض اسرار غریبہ اور علوم عجیبہ کے بیان میں)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی۔ فضائل و کمال دستگاہ میرے عزیز بھائی شیخ نور الحق نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی حضرت یوسف علیہ السلام سے گرفتاری کے متعلق اہتمام اور پورے شوق سے استفسار کیا ہے اور یہ فقیر بھی بہت مدت سے اس معنی کے انکشاف کا شوق رکھتا تھا۔ جب ان کا شوق اس شوق کے علاوہ پیش آیا تو بے اختیار اس دقیقہ کو کھولنے کی طرف متوجہ ہوگیا۔

ابتدائی طور پر یہ ظاہر ہوا کہ یوسف علیہ السلام کی پیدائش اور ان کا حسن و جمال اس دنیاوی خلقت و حسن و جمال کی جنس سے نہیں ہے اور یہ ظاہر ہوا کہ آپ کا جمال بہشتیوں کے جمال کی جنس سے ہے اور مشہود ہوا کہ باوجود اس پیدائش کی صباحت کے ان کو حور و غلمان کے حسن سے مشابہت ہے اور اس کے بعد جو کچھ تفصیل اس باب میں اللہ تعالٰی کے فضل و کرم سے فائض ہوئی ہے اُسے قید کتابت میں لا کر بھیجا جا

رہا ہے اے اللہ تو پاک ہے تیرے بتائے ہوئے کے بغیر ہمیں کچھ علم نہیں ہے ؎

در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند　　　آنچہ استادِ ازل گفت ہماں مے گویم

سوال : یہ تمام فرطِ محبت اور گرفتاری جو حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام سے تھی یہ کس طرح کی تھی جب کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کو اور ان کے آبا کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات و البرکات کو اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ (ہاتھوں اور آنکھوں یعنی عمل اور علم والے) فرمایا ہے اور پھر ان کے متعلق اور ان کے آبا کرام کے متعلق یہ بھی فرمایا ہے انا اخلصنا ھم بخالصۃ ذکری الدار وانھم عندنا لمن المصطفین الاخیار (یقیناً ہم نے ان کو ایک پاک خصلت میں خاص کیا کہ وہ آخرت کی یاد ہے اور یقیناً وہ ہمارے پاس پسندیدہ اور برگزیدہ لوگوں سے ہیں)

اور برگزیدہ اور مخلص لوگوں کو مخلوق سے ایسا تعلق رکھنا کیا گنجائش رکھتا ہے ؟ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ گرفتاری اللہ تعالیٰ کے سوا تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حسن وجمال کے آئینہ سے زیادہ نہیں ہے جیسا کہ صوفیہ نے کہا ہے اور مشہود وحدت کو کثرت کے آئینہ میں تجویز کیا ہے اور اخروی رویت کے سوا اس دنیا میں مجالی ومظاہر میں ممکنات کی صورتوں کا مشاہدہ ومکاشفہ ثابت کیا ہے کیونکہ اس قسم کے کشف وشہود جو کہ سالکین صوفیاء کو توحید کے غلبات میں اس فانی دنیا میں میسر آتے ہیں قریب ہے کہ انبیاء کی امتوں کے خواص اس سے انکار کریں اور یہ لوگ ایسے مکشوف ومشہود سے یکسوئی اور پرہیز کرتے ہیں اور جب معاملہ اس طرح کا ہو تو انبیاء برگزیدہ کے متعلق اس طرح کے سوال کا کیا احتمال ہو سکتا ہے بلکہ اس معنی کا تصور کرنا بھی ان بزرگواروں کے متعلق عین وبال ہے ۔

جواب : یہ سوال ایک مقدمہ پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ آخرت کا حسن وجمال اور اسی طرح اس مقام کی نعمتیں اور لذتیں بھی دنیا کے حسن وجمال کی طرح نہیں ہیں

کیونکہ وہ حسن وجمال سب خیر ہی خیر ہے اور لذتیں اور نعمتیں سب اللہ تعالیٰ کو مقبول وپسندیدہ ہیں اور یہ حسن وجمال سب شر اور نقص ہے اور یہ لذتیں اور نعمتیں سب نامقبول اور غیر مستحسن ہیں یہی وجہ ہے کہ آخرت کا گھر اللہ تعالیٰ کی رضا کا گھر ہے اور دنیا کا گھر خدا تعالیٰ کے غضب کی جگہ ہے ۔

سوال : ممکن میں جو بھی حسن وجمال ہے چونکہ وہ حضرت وجوب سے مستعار ہے اور ممکن اس مرتبہ کے آئینہ اور مظہر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اس لئے کہ ممکن اپنے پاس کوئی چیز نہیں رکھتا اور جو کچھ بھی وہ رکھتا ہے حضرت وجوب سے مستعار ہے ۔ پس ان دو مقامات میں فرق کہاں سے آگیا کہ ایک تو پسندیدہ اور

لہ مجھے آئینہ کے پیچھے طوطی کی طرح رکھا ہے جو کچھ استاد ازل نے کہا ہے میں وہی کہتا ہوں ۔ ۱۲

مقبول ہو اور دوسرا نامقبول اور غیر مستحسن۔

جواب: چند ایک مقدمات پر مبنی ہے پہلا مقدمہ یہ ہے کہ عالم تمام کا تمام اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا مظہر اور جلوہ کی جگہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسمائی و صفاتی کمالات کا آئینہ ہے

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اگرچہ وجوب کے دائرہ میں داخل ہیں لیکن چونکہ ان کو اپنے قیام اور وجود میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی احتیاج ثابت ہے لہٰذا ان میں امکان کی بو موجود ہے اور وجوب ذاتی ان کے حق میں غیر یقینی ہے کیونکہ ان کا وجوب اپنی ذات سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے اور اگرچہ ان کو غیر ذات بھی نہیں کہتے لیکن غیریت سے چارہ بھی نہیں ہے کیونکہ ان میں دوئی ثابت ہے اور "دو چیزیں آپس میں غیر ہوتی ہیں" یہ ارباب معقول کا مقررہ قاعدہ ہے لیکن اس کے باوجود ان پر امکان کا لفظ نہیں بولنا چاہیئے کیونکہ وہ حدوث کا وہم ڈالتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک ہر ایک ممکن حادث ہے اور وجوب بالغیر بھی اس مقام میں تجویز کرنا چاہیئے کہ وہ ان کے خداوند تعالیٰ کی ذات سے علیحدہ ہونے کا وہم ڈالتا ہے۔

اور تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ جس جگہ بھی امکان کی بو ہے عدم کو بذات خود اس جگہ گنجائش ہے اگرچہ اس عدم کا حصول محال ہو لیکن وہ استحالہ اس کے اپنے نفس سے نہیں پیدا ہوا ہے بلکہ دوسری جگہ سے آیا ہے

چوتھا مقدمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کو جس طرح ان کی جانب وجود میں حسن و جمال ثابت ہے ان کے احتمال عدم کی جانب میں بھی حسن و جمال ثابت ہے اگرچہ اس حسن کا ثبوت مرتبہ حس و وہم میں ہو چونکہ عدم کے مناسب ہے اگرچہ وہ ہمسائیگی سے مستعار ہو کہ عدم کو اپنی ذات میں سوائے شر اور قبح کے کوئی حصہ نہیں ہے وہ وجود ہی ہے جو سراسر کمال و خیر ہے اور سارے کا سارا حسن و جمال۔ جاننا چاہیئے کہ وہ حسن و جمال جو عدم میں نمودار ہوتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے حنظل (تمہ) چینی کے غلاف میں لپیٹ دیں اور بتائیں کہ یہ میٹھا ہے۔

پانچواں مقدمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نظر کشفی سے معلوم ہوا ہے کہ اس دنیا میں ممکن کی جانب عدم کو کمال اقتدار سے تربیت کی ہے اور اپنی کمال صنعت سے مرتبہ حس و وہم میں ثبات و استقرار بخشا ہے اور صفات کے حسن و جمال کا مظہر جو کہ ان کے احتمال عدم کی جانب میں نمودار ہوا تھا بنایا ہے اور یہ بھی واضح ہوا ہے کہ آخرت کی زندگی میں ممکن کے وجود کی جانب کو ترجیح دیں گے اور صفات کے حسن و جمال کا مظہر جو کہ ان کے وجود کی جانب میں ثابت ہے بنائیں گے

جب یہ پانچوں مقدمے معلوم ہو گئے تو اس دنیا کے حسن و جمال اور اس آخرت کے حسن و جمال میں فرق

واضح ہوگیا اور ایک کا قبح اور دوسرے کا حسن بھی لائح ہوا اور پسندیدہ اور ناپسندیدہ میں تمیز بھی پیدا ہو گئی۔ اس تحقیقات سے اس سوال کا حل بھی ہوگیا اور اس مقدمہ کی وضاحت بھی ہوگئی کہ پہلے سوال کا جواب جس پر مبنی تھا جیسا کہ ذہین غور کرنے والے پر پوشیدہ نہیں ہے۔

اور جب یہ مقدمہ واضح ہوا تو ہم پہلے سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے صریح کشف سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود اگرچہ اس دنیا میں پیدا ہوا ہے لیکن تمام موجودات کے برخلاف ان کے وجود کی پیدائش آخرت کی پیدائش سے ہے اور ان کے وجود کی جانب کو ترجیح دے کر ان کو اس حسن و جمال کا مظہر بنایا ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات سے ہے اور عدمیت کا شائبہ جو کہ ان کے نفس یا ان کے اصل سے تعلق رکھتا ہے منتفی کر دیا ہے اور ظلمت عدم سے ان کو اور ان کے اصل کو پاک کر دیا ہے اور وجود کے نور کی جانب کے غلبہ کے سوا جو کہ بہشتیوں کا حصہ ہے اس میں کچھ نہیں چھوڑا ہے تو زنان کا ان کے حسن و جمال کی گرفتاری بہشت والے بہشتیوں کے حسن کی گرفتاری کی طرح محمود ہے اور کاملین کا حصہ ہے اور جتنا بھی رب کامل تر ہوگا اتنا ہی وہ آخرت کے حسن و جمال کا زیادہ گرفتار ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں قدم بڑھا کر رکھے گا۔ کیونکہ اس پیدائش سے گرفتاری اس پیدائش والی گرفتاری کا عین ہے کہ وہ پیدائش اللہ تعالیٰ کی حکمت کے طلسم سے زیادہ نہیں ہے اور کبریائی کی چادر کی طرح اللہ تعالیٰ کے نقاب سے زیادہ نہیں ہے۔ وَاللّٰہُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ (اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے) نص قطعی ہے۔ وَاللّٰہُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ (اور اللہ تعالیٰ آخرت چاہتے ہیں) اس معنی پر حجت واضح ہے اور جس نے آخرت کی گرفتاری کو دنیا کی گرفتاری کی طرح برا سمجھا ہے اور اللہ تعالیٰ کی گرفتاری کے سوا جانا ہے اس نے آخرت کی حقیقت کو نہیں سمجھا ہے اور غائب کو شاہد پر باوجود فارق یقین کے قیاس کیا ہے رابعہ بصری بے چارہ۔ اگر جنت کی حقیقت کو پوری طرح سمجھ لیتی تو اس کو جلانے کی فکر میں نہ پڑتی اور اس کی گرفتاری کو اللہ تعالیٰ کی گرفتاری کے سوا نہ جانتی۔

اور کسی اور نے کہا ہے کہ آیت مِنْکُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ (کہ بعض تم میں سے دنیا چاہتے ہیں اور بعض تم میں سے آخرت چاہتے ہیں) میں دونوں فریق سے شکایت ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو انصاف دیں کہ کیسے اس طرح متصور ہو سکتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ بہشت کی دعوت فرمائیں اور دعوت دینے کے بعد جو اس کو قبول کرلے اس سے شکایت کریں۔ اگر اس مقدس مقام کی گرفتاری بری ہوتی یا مذمت کا شائبہ رکھتی تو بہشت رضا کا گھر نہ ہوتا کہ رضا قبولیت کا انتہائی مرتبہ ہے اور وہ بھی دنیا کی طرح مغضوب ہوتی۔

غضب کی علت اور مذمت کا باعث عدم ہے جو کہ ہر قباحت و نقص کی جڑ ہے اور وہ دُنیا کے حصّہ میں آئی ہے اور دُنیا کی لعنت کا سبب ہوئی ہے اور جب عدم سے بیزاری حاصل ہو گئی تو مذمت اور قبح کا شائبہ زائل ہو گیا اور نارضامندی اور نامقبولیت دشمنوں کے حصّہ میں آئی اور سوائے رضا و قبول وجود اور نور اور وصل و وصول اور راحت و سرور کے اور کچھ باقی نہ رہا۔ مخبر صادق صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہشت میں تسبیح و تہلیل و تحمید سے درخت لگاؤ یعنی سبحان اللہ کہو اور بہشت میں درخت لگاؤ۔ تنزیہی معنی جو اس جگہ حروف و کلمات کے لباس میں پیدا ہوئے ہیں اس جگہ درختوں کی صورت میں متشکل ہوتا ہے کہ اس درخت اور اس درخت سے لذت کی گرفتاری عین گرفتاری معنی تنزیہی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

صوفیہ علیہ کہ جنہوں نے تمام دقائق و اسرار کو توحید و اتحاد میں فرمایا ہے اور اس دُنیا کے مظاہر جمیلہ پر ان کو محمول کیا ہے اور عاشقی کی ہے اور ان کے ضمن میں شہود و مشاہدہ کا اثبات کیا ہے اور ان کے حسن جمال کو اللہ تعالیٰ کا حسن و جمال سمجھا ہے۔ ایک نے کہا ہے "میں نے تجھے ہر لذیذ کھانے میں چکھا ہے۔" اور دوسرا کہتا ہے ؎

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر است[1] — در حیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست؟

اور تیسرا کہتا ہے ؎

از تشنگی گر قدح آبے خورند[2] — در درون آب حق را ناظر اند

اس دُنیا میں ان جیسی باتوں کی سچائی اس فقیر کی دریافت اور فہم سے دور ہے کیونکہ اس دُنیا میں ان نازکیوں کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں پاتا اور ان کو اس قسم کی دولت کے قبول کرنے کی قابلیت نہیں جانتا۔ اگر قبول کی طاقت رکھتے تو اللہ تعالیٰ کے مغضوب و مبغوض نہ ہوتے اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنَۃٌ (دُنیا ملعون ہے) نہ فرماتے۔ وہ بہشت ہی ہے جو ان بزرگوں کے لائق ہے اور ان مقامات کے قابل ہے اور یہ قول کہ "میں نے تجھے ہر لذیذ کھانے میں چکھا ہے"۔ بہشتی کھانوں پر صادق آتا ہے نہ کہ دنیوی طعام میں کہ وہ عدم کے زہر آب سے مخلوط ہے لہٰذا اس کا ارتکاب مناسب نہیں ہے۔

اس فقیر کے نزدیک ہر شخص اس اسم الٰہی کے ظل سے عبارت ہے جو کہ اس شخص کا مبدأ تعین ہے اور اس اسم نے اشجار و انہار اور حور و قصور کی صورت میں اور ولدان و غلمان کے لباس میں ظہور فرمایا ہے اور جس طرح اسماء الٰہی جل سلطانہٗ میں باعتبار بلندی اور پستی اور باعتبار جامعیت و عدم جامعیت کے فرق ہے

---

[1] آج جبکہ تیرا جمال بے پردہ ظاہر ہے میں حیرت میں ہوں کہ کل کا وعدہ کس لئے ہے ۱۲۔

[2] اگر وہ پیاس سے پیالے میں پانی پیتے ہیں تو وہ پانی کے اندر خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہیں ۱۲۔

ان کی جنتوں میں بھی اسی اندازہ کے مطابق فرق ہے اگر اس ظہور کے ضمن میں شہود و مشاہدہ کا اثبات کیا جائے تو مستحسن اور زیبا ہے اور کسی چیز کو اس کے مقام پر رکھنا ہے لیکن اس مقام کے علاوہ ایسی باتوں کا اطلاق کرنا جہالت ہے اور کسی چیز کو غیر مقام میں رکھنا ہے۔

شاید کہ صوفیہ علیہ محبت کی زیادتی اور کمال شوق کی وجہ سے جو وہ اپنے مطلوب سے رکھتے ہیں جس قدر بھی مطلوب کی خوشبو ان کی جان کے دماغ میں پہنچتی ہے اسے غنیمت سمجھ کر اس کو شدّت محبت کے غلبہ سے عین مطلوب مقصود سمجھتے ہیں اور وہ عاشق جو نفس مطلوب سے کرنی چاہیئے اس کے ساتھ درمیان میں لاتے ہیں۔ اور لذت حاصل کرتے ہیں اور مشاہدہ و مکاشفہ ثابت کرتے ہیں ایک بزرگ کہتا ہے ؎

بہ بوئے تو از جاج ہم مست و بے خود[1] زہر سو کہ آواز پائے بر آید

ہاں عاشقی اور محبت کی بے آرامی میں اس قسم کے معاملات جائز بلکہ مستحسن ہیں کیونکہ یہ خدا کے لیئے ہیں اور مطلوب بے مثل کی ملاقات کے شوق کی وجہ سے ہیں ان کی غلطی بھی صواب کا حکم رکھتی ہے اور ان کا شکر صحو کا حکم رکھتا ہے حدیث میں آیا ہے "بلال کا سین اللہ کے نزدیک شین ہے"۔ ؎

ترا[2] اشہدِ تو خندہ زند اسہدِ بلال

جاننا چاہیئے کہ اس فقیر کا مکشوف یہ ہے کہ بہشت میں ہر بہشتی شخص کی رویت بھی اسی اسم الٰہی کے کے اندازہ کے مطابق ہوگی جو اس کے تعین و تشخص کا مبدأ ہے، اور اشجار و انہار اور حور و غلمان بہشتی کے لباس میں ظہور فرمایا ہے اس طرح کہ کچھ مدت کے بعد اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے یہ اشجار و انہار جو کہ اس اسم مقدس کے مظاہر ہیں کچھ وقت کے لئے عینک کا حکم پیدا کر لیتے ہیں اور اس شخص کے لئے غیر متکیفہ رویت کی دولت کا وسیلہ بن جاتے ہیں اور پھر اپنی اصلی حالت میں آجاتے ہیں اور اس کو اپنی طرف مشغول کر لیتے ہیں۔ اور اسی طرح ہمیشہ ہمیشہ تک ہوتا رہتا ہے۔

بالکل تجلی ذاتی برق کی طرح کہ صوفیاء نے اس کو اس دُنیا میں تجویز کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلی اس دولت کے مستعد لوگوں کے لئے ہمیشہ اسمائے صفات کے پردہ میں ہے لیکن کچھ مدّت کے بعد تھوڑے سے وقت کے لئے ان اسماء و صفات کا حجاب اُٹھ جاتا ہے اور اللہ تعالےٰ کی ذات اسماء و صفات کے پردہ کے بغیر تجلی کرتی ہے اور چونکہ وُہ اسم الٰہی اللہ تعالےٰ کی ذات کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے تو لازماً ہر شخص کی رویت کے متعلق بھی وہی اعتبار ذاتی ہوگا جو کہ اس شخص کا رب ہے۔ اس جگہ کوئی آدمی

---

[1] تیری خوشبو سے آبگینے بھی ہر طرف مست اور بے خود ہیں کیونکہ پاؤں کی آواز آرہی ہے۔ ۱۲

[2] تیرے اشہد کا بلال کا اسہد مذاق اُڑاتا ہے۔ ۱۲

تبعض اور تجزی کا گمان نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام ذات وہ تھا۔ ہے یہ نہیں کہ بعض ذات تو وہ اعتبار ہو اور ذات کا بعض حصہ دوسرا اعتبار ہو کہ یہ نقص اور حدوث کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

صوفیاء نے کہا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی ذات پوری کی پوری علم ہے تمام کی تمام قدرت ہے اور ساری کی ساری ارادہ ہے" اور اگرچہ ہر اعتبار پوری ذات ہے لیکن مرئی (نظر آنے والا) وہی اعتبار ہے کہ دوسرے اعتبار لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں)، کا راز اس جگہ تلاش کرنا چاہئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جب اعتبارات میں تمیز نہیں ہے اور ہر ایک عین اللہ کی ذات ہے تو رویت کے متعلق ایک اعتبار کو مقرر کرنا اور دوسرے بحث سے اعتبارات کو نظر انداز کرنا کس معنی سے ہے؟ اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتبارات اگرچہ عین ذات ہیں بلکہ ایک دوسرے کا عین بھی ہیں اور امتیاز چونی جو کہ عالم کے گرفتاروں کے نزدیک چون معتبر ہے نہیں رکھتے لیکن بے چونی امتیاز ان کے درمیان ثابت ہے اور وہ صاحب دولت جو عالم چون سے عالم بے چون کے ساتھ وابستہ ہیں بے چون سے پیوستہ ہونا اور بے چون اعتبارات کا امتیاز ان پر بھی واضح ہے اور اس امتیاز کو وہ کان اور آنکھ کے امتیاز کی طرح پاتے ہیں۔ ہاں وہ صاحب دولت جس کا مبدأ تعین اسم جامع ہوتا ہے اس کو اعتدال کے طور پر مختلف درجات میں اگرچہ اجمالی طور پر ہو، اللہ تعالیٰ کے تمام اعتبارات سے حصہ ہے اور اس کی رویت تمام کے ساتھ متعلق ہے اور چونکہ اجمال کی جامعیت کی تنگی جو کہ اس کا حصہ ہے ہر وقت اس کی دامنگیر ہے لہٰذا احاطہ اور درک اس کے حق میں بھی مفقود ہوتا ہے اور آیت لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ صادق ہوتی ہے کیونکہ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا (بات میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون سچا ہے)

جاننا چاہئے کہ جب بندہ کو اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے مخصوص کر لیتے ہیں اس کو فنائے اتم کی دولت سے مشرف کرتے ہیں اور عدم کی قید سے جو کہ اس کی ماہیت ہوتی ہے آزاد کر دیتا ہے اور اس کی ذات و صفات باقی نہیں رہتے اس کو اس طرح کی فنا کے بعد ایک ایسا وجود بخشتا ہے جو کہ آخرت کے وجود کے مشابہ ہوتا ہے اور وجود ممکن کی ترجیح کی جانب تعلق رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے وجود کی جانب کے کمالات کا مظہر ہوتا ہے جیسا کہ اس کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام اپنے وجود کے ساتھ اس دولت سے مشرف ہوئے تھے اور یہ عارف وجود ثانی کے ساتھ دوسری ولادت میں اس سے مشرف ہوتا ہے اور چونکہ وہ ایسے پیدائشی طور پر تھے لہٰذا ان کو حسن ظاہر بھی عطا کیا اور عارف میں چونکہ کسب کے بعد حاصل ہوا ہے لہٰذا نور باطن پر ہی اکتفا کی ہے اور اس کے ظاہری حسن کو آخرت کا ذخیرہ بنایا ہے اس طرح کا دولت مند انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد نادر الوجود ہے اور ایسے بہت ہی تھوڑے ہیں۔ یہ

بزرگوار اگرچہ نبی نہیں ہے لیکن انبیاء کی تبعیت میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خاص دولت میں شریک ہے اور اگرچہ طفیلی ہے لیکن انہی کے دستر خوانِ نعمت پر بیٹھا ہے اور اگرچہ وہ خادم ہے لیکن مخدوموں کا ہم نشین ہے اور وہ ایسا تابع ہے جو متبوعین کا ہمراز و مصاحب ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی ایسا راز اس سے کہتے ہیں کہ انبیاء بھی اس پر رشک کرتے ہیں اور اس کے ساتھ شرکت چاہتے ہیں علیہم الصلوات والتسلیمات جیسا کہ مخبرِ صادق صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی خبر دی ہے۔

لیکن اس قسم کا معاملہ جزئی فضیلت میں داخل ہے کلی فضیلت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کے لئے ہے اور چونکہ یہ فضیلت بھی اس کو ان کی متابعت کی دولت سے میسر ہوئی ہے لہٰذا انہی کی طرف سے ہے اور اس کی حیثیت ان کے اقتدار سے زیادہ نہیں ہے۔ آیت کریمہ

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ	اور ہماری بات ہمارے پیغمبروں کے لئے پہلے
اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا	گذر چکی ہے کہ وہی مدد دیئے جائیں گے اور یقیناً
لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ ۝	ہمارا لشکر وہی غالب آنے والے ہیں۔

قرآنی نص ہے کہ ان بزرگواروں کی شان سب سے بڑھ کر ہے اور سب پر ان کو مدد دی ہے اور غالب کیا ہے۔

سوال:۔ یہ وجود جو عارف تام المعرفت کو بخشتے ہیں کیا وہ اس وجود کے ساتھ بھی اس دنیا کی دوسری موجودات کی طرح مرتبہ حس و وہم میں ہے یا اس سے باہر آ چکا ہے اور اگر باہر آ چکا ہے تو اس نے وجودِ خارجی پیدا کیا ہے یا نہیں حالانکہ قوم کا مقررہ قاعدہ ہے کہ خارج میں اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی چیز موجود نہیں ہے۔

جواب:۔ جو کچھ آخر کار معلوم ہوا ہے میں کہتا ہوں کہ وہ مرتبہ وہم سے باہر آ چکا ہے اور نفس امری ہو چکا ہے۔ مرتبہ وہم نے بھی اگرچہ ثبات و تقرر کے اعتبار سے نفس امر کا حکم پیدا کیا ہے لیکن حقیقت میں وہ نفس امر نہیں تھا کہ نفس امر اس سے اوپر کا مرتبہ ہے گویا یہ مرتبہ وہم اور خارج کے درمیان برزخ ہے۔ آخرت کی پیدائش کے موجودات بھی مرتبہ نفس امری ہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کی صفات بھی سوائے حقیقیۃ آٹھ صفات کے سب اسی مرتبہ میں ہیں اور مرتبہ خارج میں سوائے اللہ تعالےٰ کی ذات اور اس کی آٹھ صفات کے اور کوئی چیز موجود نہیں ہے پس موجودات کے تین مرتبے ظاہر ہوئے۔

اور مرتبہ وہم میں جو کہ اس پیدائش کے اکثر افراد کا حصہ ہے سارے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں جو کہ اس مرتبہ سے باہر آ چکے ہیں اور اسی طرح ملائکہ کرام بھی علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کہ جن کا وجود آخرت کی پیدائش

ہ سورۃ والصافات پارہ ۲۳۔

کے وجود سے مناسبت رکھتا ہے اور اولیائے کرام سے بھی بہت سے کم لوگ ایسے ہیں جو اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں اور وہم سے نکل کر نفس امر کے ساتھ ملحق ہو چکے ہیں۔

اور دُوسرا مرتبہ نفس امر کا ہے کہ اللہ تعالٰے کی صفات و افعال اس جگہ موجود ہیں اور ملائکہ کرام بھی اس مرتبہ میں موجود ہیں اور آخرت کی پیدائش کا وجود بھی اس مرتبہ میں ثابت ہے اور اسی طرح انبیاء اور اولیا میں سے تھوڑے آدمی بھی اسی مرتبہ میں چلے گئے ہیں علیہم وعلی اتباعہم الصلوات والتسلیمات لیکن اتنا ضرور ہے کہ اللہ تعالٰے کی صفات اس مقام کے مرکز میں ہیں جو کہ اس کے اجزاء میں سے اشرف ہے اور باقی موجودات اپنی اپنی استعداد کے مُطابق اس کے اطراف و اکناف میں ہے

اور تیسرا مرتبہ خارج اور موجود کا ہے اس جگہ اللہ تعالٰے کی ذات اور اس کی صفات ثمانیہ ہیں مگر فرق ہے تو مرکز اور غیر مرکز کا ہے کہ مرکز اللہ تعالٰے کی ذات کے زیادہ مناسب ہے۔

سوال:۔ مرتبہ وہم سے نکل کر مرتبہ نفس امر میں جانا کونسی فضیلت رکھتا ہے اور کونسا قُرب اس سے وابستہ ہے؟

جواب:۔ ہر خیر اور کمال اور حسن و جمال کا منشا وجود ہے اور وجود کی جتنی قوت و استقرار زیادہ ہوگی ان صفات کا ظہور کامل تر ہوگا اور اس میں شک نہیں ہے کہ وجود نفس امری وہمی وجود سے زیادہ طاقتور اور زیادہ ثابت ہے تو لازماً اس میں خیر و کمال ہوگا اور قُرب کے متعلق کیا کہتا ہے کہ وہ اللہ تعالٰے کے افعال کی صفات میں چلا گیا ہے اور خالقیت اور رازقیت کی صفات سے ہمسائیگی کا حق پیدا کر لیا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ عدم کا ثبوت اور اسی طرح ان کمالات کا ثبوت جن میں عدم کا شائبہ محفوظ ہے اگرچہ وُہ کمالات صفاتیہ سے ہے یہ سب مرتبہ حس و وہم میں ہیں اور جب تک پوری طرح عدم سے پاک نہیں ہوتے اور ان کی ذات و صفات زائل نہیں ہوتیں مرتبہ نفس امر کے وصل کے لائق نہیں ہوتے اور اگرچہ عدم کے ضعف و قوت کے اعتبار سے ثبوت وہمی کے مختلف درجے ہیں جتنا عدم زیادہ طاقتور ہوگا اتنی ہی مرتبہ وہم میں گرفتاری کامل ہوگی اور جب وہ کمزور ہوگا تو گرفتاری بھی کم ہوگی۔ بہت سے اولیاء جو سیر و سلوک سے عدم کے مراتب سے گزر چکے ہیں اور اُن میں عدم کے اثر کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہی ہے لیکن جب تک وُہ اثر باقی ہے مرتبہ نفس امر میں داخل نہیں ہو سکتے البتہ مرتبہ وہم سے گذر کر اس کے آخری نقطہ تک پہنچ جاتے ہیں اور مرتبہ نفس امر کا نظارہ کرتے ہیں اور اس مقام سے حصہ حاصل کرتے ہیں۔

محسوس ہوتا ہے کہ انبیاء کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوات والتسلیمات مختلف مراتب پر اور اسی طرح انبیاء کے بعض متابع بھی اگرچہ وہ بہت تھوڑے ہیں مرتبہ نفس امر کے مقام کے اخیر تک پہنچے ہیں اور ہر ایک

کے لئے مختلف وجہات پر ایک خاص وطن ہے اور ایک علیحدہ مقام ہے اور قرآن کے کلمات اور حروف بھی اسی جگہ مشہود ہوتے ہیں اور ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا مقام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقام سے بلند تر ہے گویا کہ وہ اس مقام سے باہر آ چکے ہیں اور اوپر کے مقام تک نہیں پہنچے اور درمیان میں برزخ بن کر اقامت کر رکھی ہے کیونکہ اوپر کا مقام اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات مقدسہ کے لئے مخصوص ہے اور خارج میں اس کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔

اور یہ حروف و کلمات چونکہ حدوث کا نشان رکھتے ہیں لہٰذا اس کے مقام کے وصل کی قابلیت نہیں رکھتے لیکن اس مرتبہ کی تمام موجودات سے آگے ہیں اور انہوں نے اپنے معانی کا دامن تھام رکھا ہے اور وہ بزرگ جو مرتبہ نفس کے آخر میں اقامت رکھتے ہیں وہ اوپر کے مرتبہ کا نظارہ کرتے ہیں اور کمال گرفتاری کی وجہ سے نرگس کی طرح تمام آنکھ ہی آنکھ بن کر جناب مقدس کو دیکھتے ہیں۔

عجیب معاملہ ہے کہ یہ بزرگوار اس توطن و اقامت کے باوجود بحکم اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (کہ آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے اس کی محبت ہو) اپنے محبوب کے ساتھ مجہول الکیفیت معیت رکھتے ہیں اور بے خود اس کے ساتھ ہیں اور بے اتحاد اور بغیر دوئی کے اپنے مطلوب سے مانوس و مالوف ہیں اس اثنا میں کہ قرآن کے کلمات و حروف کی معیت اس مرتبہ مقدسہ سے ملاحظہ ہوئی تو معلوم ہوا کہ اس معیت کو دوسروں کی معیت کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ یہ معیت بہت بلند ہے اور ادراک میں کچھ بھی نہیں آ سکتی کہ وہ باطن در باطن کے ساتھ وابستہ ہے مخلوق کے فہم کو اس جگہ کوئی گنجائش نہیں ہے اَلْقُرْاٰنُ كَلَامُ اللّٰهِ غَيْرُ مَخْلُوْقٍ (قرآن اللہ کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے) آیا ہے ان حروف و کلمات کی بلندیٔ شان سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام نفسی بھی یہی حروف و کلمات ہیں جیسا کہ قاضی عضد الدین نے اس کی تحقیق کی ہے اور بغیر تقدیم و تاخیر انہی کو کلام نفسی قدیم کہا ہے اور ان کی تقدیم و تاخیر کو اپنے آلہ حادثہ کے قصور کی طرف راجع کیا ہے۔

سوال:۔ اگر یہی حروف و کلمات کلام نفسی ہوں تو چاہیئے کہ مرتبہ خارج میں داخل ہوں اور پہلے گذر چکا ہے کہ یہ اس مقام میں داخل نہیں ہو سکتے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:۔ یہ حروف و کلمات چونکہ اذہان میں تقدیم و تاخیر سے مذکور ہوتے ہیں تو لازماً اس ملاحظہ سے کشفی نظر میں ان کا مرتبہ خارج میں داخل نہ ہونا ظاہر ہوتا ہے لیکن جب دوسری مرتبہ تقدیم و تاخیر کے ملاحظہ کے بغیر دیکھا گیا تو مشہود ہوا کہ اس میں داخل ہیں اور اپنے اصل کے ساتھ ملحق بلکہ متحد ہیں پس ان کی معیت دوسروں کی معیت سے کیا نسبت رکھتی ہے؟ کہ اس جگہ اتحاد ہے اور دوسروں میں اتحاد کی گنجائش

نہیں ہے۔

سبحان اللہ ایسے حروف و کلمات قرآنی جب اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہوتے ہیں تو اس دنیا میں ان کا ظہور برخلاف دوسری صفات قدیمہ کے بنفس خود ہوتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں حروف و کلمات خود اس کا اپنا نفس ہیں اور تقدیم و تاخیر عارضی کے سوا جو کہ آلہ تکلم کے قصور کی وجہ سے ہے اس کا نقاب بنتے ہیں اور اس کے سوا اور کوئی حجاب نہیں ہے پس اللہ تعالیٰ کی ذات کے قریب ترین قرآن مجید ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ظاہر ترین بھی وہی ہے کہ ان میں ظلیت کی گرد کی بو بھی نہیں ہے۔ اور تقدیم و تاخیر کے خس و خاشاک کو محبوبین کی آنکھوں میں ڈال کر اپنے اصل سے عالم ظلال میں جلوہ گر ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ افضل عبادات تلاوتِ قرآن مجید ہے اور اس کی شفاعت دوسروں کی نسبت مقبول ترین شفاعت ہے کیا کسی مقرب فرشتہ کی شفاعت اور کسی نبی مرسل کی۔ وہ نتائج و اثرات جو قرآن مجید کی تلاوت پر مترتب ہوتے ہیں ان کی تفصیل کیا لکھی جائے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ تلاوت کرنے والے کو اٹھا کر اس درجہ پر لے جاتا ہے جہاں بال کی گنجائش بھی متصور نہیں ہے۔

سوال: کیا قرآن مجید کے حروف و کلمات ہی اس دولت سے مخصوص ہوتے ہیں یا تمام منزل کتابوں کے حروف و کلمات بھی ان کے ساتھ اس دولت میں شریک ہیں اور کیا سب ہی کلام قدیم نفسی ہیں؟

جواب:۔ تمام اس دولت میں شریک ہیں نظر کشفی میں صرف اس قدر فرق معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید گویا دائرہ کا مرکز ہے اور باقی دوسری کتابیں بلکہ وہ سب کچھ جس سے ازل سے ابد تک تکلم واقع ہوا ہے سب گویا اس دائرہ کا محیط ہیں۔ پس قرآن سب کا اصل ہے اور تمام کتابوں سے اشرف ہے کیونکہ مرکز دائرہ کے اجزا میں سے سب سے اشرف ہے اور دائرہ کے تمام نقاط کا اصل ہے گویا کہ باقی تمام نقطے اسی کی تفصیل ہیں اور وہ سب کا اجمال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا ہے۔

وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ — اور یقیناً وہ پہلے لوگوں کی کتابوں میں بھی ہے۔

سوال:۔ تحقیق سابق سے معلوم ہوا کہ اس دنیا میں جو مظاہر جمیلہ کے ضمن میں شہود اور مشاہدہ کہتے ہیں واقع نہیں ہے اور ان کو اس مرتبۂ مقدسہ کی مظہریت کی قابلیت نہیں ہے کیا ان مظاہر کے علاوہ بھی اس دنیا میں شہود و مشاہدہ متحقق ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جو کچھ اس فقیر کا اعتقاد ہے وہ یہ ہے کہ اس دنیا کا نصیب صرف ایقان ہے کہ آنکھ کا دیکھنا اور مشاہدہ جو کہ دل کے دیکھنے سے عبارت ہے مختلف درجات پر اسی کا نتیجہ و ثمرہ ہے جو کہ آخرت کے ساتھ وابستہ ہے صاحب تعرف نے جو اس طائفہ علیہ کے اکابر میں سے ہے اپنی کتاب میں اس باب میں مشائخ

کا اجماع نقل کیا ہے اور کہتا ہے کہ صوفیہ نے اجماع کیا ہے کہ اس دنیا میں اللہ تعالٰی کی رویت نہ آنکھ سے واقع ہے اور نہ دل سے اور ایقان کے علاوہ اس جگہ کوئی امر ثابت نہیں ہے۔

سوال :۔ اس طائفہ علیہ کا مقررہ اصول ہے کہ یقین کے تین درجے ہیں۔ علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین۔ اور علم الیقین اس سے عبارت ہے کہ اثر سے مؤثر پر استدلال کیا جائے جیسا کہ آتش کے وجود کا یقین جو دھوئیں کے وجود کے علم سے استدلال کر کے حاصل کیا جائے اور عین الیقین یہ ہے کہ مثلاً آگ کو آنکھوں سے دیکھ لیا جائے اور حق الیقین مثلاً آتش کے تحقق ہونے سے عبارت ہے اور جب رویت قلبی بھی نہیں ہے تو عین الیقین کس صورت میں راست آئے گا اور مشائخ کا عدم رویت پر مطلقاً اجماع کس طرح صادق آسکتا ہے؟

جواب :۔ ہو سکتا ہے کہ اجماع سے مراد پہلے مشائخ کا اجماع ہو اور پچھلوں نے اس کے برخلاف حکم کیا ہو اور رویت قلبی کو جائز رکھا ہو اور اس فقیر کے نزدیک یہ حکم ثابت نہیں ہوا ہے اور اس تجویز کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور یہ تین درجے جو یقین میں کہے ہیں یہ سب علم الیقین میں داخل ہیں اور یہ استدلال سے باہر نہیں آئے اور آنکھ سے دیکھنے کے علم تک نہیں پہنچے۔ اور وہ عین الیقین میں آتش کا دیکھنا کہا ہے یہ دھوئیں کا دیکھنا ہے کہ اس جگہ سے آتش کے وجود پر استدلال کیا ہے اور یہ دوسرا یقین پہلے یقین کی نسبت اپنی دلیل کی قوت کی وجہ سے زیادہ اتم ہے کیونکہ اس جگہ علم دلیل ہے اور اس جگہ رویت دلیل ہے اور اسی طرح حق الیقین میں بھی دھوئیں سے متصف ہونا ہے نہ کہ آتش سے اور پھر اس جگہ سے آتش پر استدلال کرنا ہے اور یہ یقین پہلے دونوں یقینوں سے اتم و اکمل ہے کہ اپنے نفس سے جو کہ دھواں ہو چکا ہے آتش کے وجود پر استدلال کرتا ہے اور انفس سے آفاق تک فرق واضح ہے اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے۔

سنریهم ایاتنا فی الافاق و فی انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق۔	ہم ان کو آفاق میں اور ان کی اپنی جانوں میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر ظاہر ہو جائے کہ وہ حق ہے۔
اور اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے	
وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ	اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے نشانات ہیں اور تمہاری اپنی جانوں میں بھی، کیا تم نہیں دیکھتے۔

جو کچھ آفاق و انفس میں دیکھا جاتا ہے وہ مطلوب کے نشانات ہیں نہ کہ عین مطلوب پس آفاق و انفس میں مرئی چیز دھواں ہوگا جو کہ آگ کی علامت ہے نہ کہ آگ۔ پس آفاق و انفس میں معاملہ استدلالی ہوتا ہے جو کہ علم الیقین کی حقیقت ہے اور عین الیقین اور حق الیقین کو آفاق و انفس سے ماوراء تشخیص کرنا چاہیئے۔